© rasailojaraid.com

مولانا محمد علی جوہرؔ تاریخ اسلام کا عظیم انسان

پروفیسر سید شعیب اختر
صدر شعبہ پاکستان اسٹڈیز قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج کراچی
Prof. Syad Shoaib Akther

ABSTRACT:

The History of Indo Pak is very interesting and wonderful. The Muslims of arrived in 712 A.D for the conqured of Sindh by Muhammad Bin Qasim, muslim are very long periods rule of this sub-continent. Many family of the rules of the Period of 1206- to 1857- The Mughal was long time rule in this sub-continent.

Man people are the struggle for the freedom movement and movement of Pakistan 19th centuries given the nigir and important person of this continent. A big name of Molana Mohammad Ali Johar he was the beloved and grateful son of Bee Aman (Abadi Beigum) (1852-1924)

Abadi Begum was the mother of the Molana Mohammad Ali Johar, and Molana Shoukat Ali. The people of sub continent Know Ali Brothers Molana Muhammad Ali Johar was the great leader of the Muslim and a great person of he India Muslim legue, he was struggle the freedom movement of Pakistan. He was died 1931 in the round table conference. He was the great Muslim Human of the History.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی تاریخ اتنی قدیم اور پرانی ہے جتنی کہ برصغیر میں مسلمانوں کے وجود کی تاریخ ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں تواتر کے ساتھ مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ عماد الدین (محمد بن قاسم) (۶۹۵ء۔۷۱۸ء) کے سندھ میں وارد ہونے سے شروع ہوتا ہے۔(۱) محمد بن قاسم نے سندھ کو فتح کر کے باب الاسلام کا درجہ عطا کیا۔ راجہ داہر جیسے ظالم اور سفاک کا قلع قمع کیا۔(۲) گو کہ دین اسلام کا یہ مرد غازی اور عظیم مسلم سپہ سالار سندھ میں بہت مختصر مدت تک ہی رہا۔ لیکن اس نے سندھ کو فتح کرتے ہوئے ملتان تک کے علاقے میں دین اسلام کا پرچم بلند کر دیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمان ایک طویل عرصے تک کوئی با قاعدہ حکومت تشکیل نہ دے سکے۔(۳)

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے ہر تاریخی دور میں مسلم مفکرین، علماء دین، صوفیاء کرام نے سرکار دو عالم، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کی حیات و سیرت اور تعلیمات و افکار کو ہندوستان کی سرزمین میں خصوصاً مسلم معاشرہ کے قیام میں اسی فلسفہ کو اپنی کامیابی کا وسیلہ و محور بنایا۔ اللہ رب العزت کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں جو معاشرہ اور حکومت قائم کی تھی اور خلفاء راشدین (۶۳۴ء۔۶۶۰ء) (۴) نے آپ کے عطا کیے ہوئے اور بتائی ہوئی باتوں اور نظام زندگی کو اپنے اپنے عہد و زمانہ میں جس طرح نافذ کیا اور اس پر عمل پیرا ہو کر یہ ثابت کیا کہ اسلام ہر زمانے اور ہر دور کی زندگی میں دین اسلام ہی انسانیت کی نجات اور ایک مکمل ضابطہ حیات کا نسخہ کیمیا ہے۔(۵)

دور حاضر میں انسانیت خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذاہب سے ہو اس وقت امن عالم کی تلاش و جستجو میں سرگرداں نظر آتی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کی نجات کا فیصلہ اللہ رب العزت نے اور اس کے سب سے عظیم نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے ۱۴۰۰/سو سال پہلے سرزمین عرب میں کر کے اور عمل کر کے انسانیت کو صراط مستقیم کا راستہ دکھا دیا گیا تھا۔ قرآن کریم سے رشتے کو مضبوط کرنے کا درس دے دیا گیا تھا، اس کے علاوہ سیرت طیبہ ﷺ سے روشنی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشارہ عطا کر دیا گیا تھا۔ لیکن انسان اس فانی دنیا میں اپنے ہی جیسے انسان کا دشمن ہوتا چلا گیا۔ اور آج کی دنیا خواہ وہ غیر مسلم کی شکل میں ہو یا عالم اسلام یا اہل پاک و ہند کے کلمہ گو مسلمان، سب انسانی خون کے قتل ناحق کے ذمہ دار ہیں بلکہ انہیں کچھ معلوم ہی نہیں ہے کہ اب دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور یہ سب کیوں کر ہو رہا ہے، اور کس کے دم سے ہو رہا ہے کون ہے جو یہ سب کچھ کر رہا ہے۔

اللہ رب العزت نے ہر عہد اور زمانے میں اپنے نبی کی امت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنے تاریخ ساز اور عہد ساز بندوں کو پیدا فرماتا رہا، جنہوں نے اپنے افکار و خیالات، تعلیمات و خطبات اور نظریات کو پیغامات کے توسط سے نہ صرف دین اسلام کا بلکہ امت محمد ﷺ کا بھرپور انداز میں دفاع کیا۔ دشمنوں کے عزائم کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند کھڑے ہوئے، ان ہی چند ایک عظیم اور تاریخ ساز بلکہ تا قیامت دنیا میں زندہ رہنے والی ہستی کا نام جس کو اہل پاک و ہند ''محمد علی جوہر'' کے نام سے جانتے ہیں۔ تحریک خلافت اور مولانا محمد علی جوہر دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اب ہم مولانا محمد علی جوہر کی حیات و خدمات پر ایک علمی و تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ (۶)

پیدائش وابتدائی حالات زندگی

مولانا محمد علی جوہر ہندوستان کے شہر رام پور میں ۱۰ دسمبر ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا اسم گرامی مولانا عبدالعلی خاں تھا۔ (۸) جبکہ آپ کی والدہ کا نام تاریخ پاک و ہند میں ''بی اماں'' کے نام سے شہرت حاصل کرنے والی عظیم ماں کا اصل نام آبادی بانو بیگم (۱۸۵۲ء۔۱۹۲۴ء) تھا آپ کا تعلق ہندوستان کے ضلع مراد آباد سے تھا۔ (۹) آپ کے والد یعنی مولانا محمد علی جوہر کے نانا کا نام نواب درویش علی خاں تھا۔ (۱۰) جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے کسی معرکے ہیں جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ (۱۱) کہتے ہیں کہ اس وقت آبادی بانو بیگم کی عمر محض ۵ برس تھی۔ مولانا محمد علی جوہر کے والد مولانا عبدالعلی خاں رام پور کے ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ جب مولانا محمد علی جوہر کی عمر مبارک صرف ۵ سال کی تھی تو آپ کے والد آبادی بانو بیگم کو اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے ۵ لڑکے اور ایک لڑکی کو چھوڑ کر اس فانی دنیا کو خیر باد کہا۔ لیکن آبادی بانو بیگم نے ایک عظیم اور تاریخ ساز ماں ہونے کا ثبوت دیا اور اپنے بچوں کی ایسی تعلیم و تربیت کی جس کی بنیاد پر اللہ رب العزت نے آپ کے دو صاحبزادوں کو تاریخ پاک و ہند میں مسلمانوں کی اصلاح کا سبب بنایا، یہ دونوں بھائی تاریخ پاک و ہند میں ''علی برادران'' کے نام سے اپنی شناخت رکھتے ہیں۔(۱۲)

مولانا محمد علی جوہر کی ابتدائی تعلیم و تربیت رام پور ہی سے شروع ہوئی۔ آپ کے بارے میں یہ تحریر کیا جاتا ہے کہ آپ نے مڈل کے بعد کا تعلیمی سفر برٹش نظام تعلیم کے ایک انگریزی اسکول میں مکمل کیا۔ لیکن بہت مختصر مدت کے بعد ہی یعنی ۱۸۹۰ء میں اپنے عہد کی مشہور زمانہ تعلیم گاہ ''علی گڑھ'' کا رخت سفر اختیار کیا جہاں آپ کے بڑے بھائی مولانا شوکت علی پہلے سے زیر تعلیم تھے۔ اس طرح آپ کا داخلہ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں ہوا۔(۱۳) اہل قلم اور مورخین کہتے ہیں کہ جوہر کی خداداد صلاحیتوں نے یہیں سے سفر شروع کیا اور پھر نہ صرف اہل برصغیر بلکہ آدھی دنیا نے آپ کی قابلیت، صلاحیت اور آپ کی ذہانت، ملی و اسلامی خدمات کا اعتراف کیا، آپ کی زندگی کو اللہ رب العزت نے پسند کرتے ہوئے آپ کو تاریخ ساز بلکہ تا حیات زندہ رہنے والے انسانوں میں شامل کر دیا۔(۱۴)

مولانا محمد علی جوہر نے علی گڑھ سے تعلیمی مدارج کی تکمیل کرنے کے بعد انگریزوں کے دیس انگلستان کا رخت سفر اختیار کیا تاکہ وہاں سے انگریزی علوم پر مکمل دسترس و مہارت حاصل کر کے انگریز سامراج کے خلاف میدان جہاد میں قدم جمایا جائے، چنانچہ آپ اپنے اعلیٰ تعلیمی مقاصد کے حصول کی خاطر آکسفورڈ یونیورسٹی چلے گئے۔ آپ کا یہ تعلیمی سفر ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۲ء تک کے عرصے پر محیط ہے۔ آپ نے لنکن ان سے اپنے اعلیٰ تعلیمی سفر کو مدارج تکمیل سے گزارا۔ انگریزوں کے دیس میں آپ کی انگریزی کی صلاحیت مکمل طور پر ابھر کر سامنے آئی، کہتے ہیں کہ انگریزی ادب و اصطلاحات میں زبردست مہارت حاصل کر لی تھی۔(۱۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ایک تاریخی حقیقت اور صداقت ہے کہ دنیا میں دین اسلام کی آبیاری اور حفاظت کے لئے اللہ رب العزت نے مسلمانوں میں ہر زمانے میں بڑے بڑے مفکر، مصلح اور زندہ انسان پیدا کرئے۔ ایک طرف عظیم مفکر ابن خلدون (۱۳۳۲ء۔۱۴۰۶ء) اپنی حیات و خدمات کے چراغ روشن کیے ہوئے تھے، تو دوسری جانب امام غزالی (۱۸) (۱۰۵۸۔۱۱۱۱) کا ستارہ چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ مولانا جلال الدین رومی (۱۹) (۱۲۰۸ء۔۱۲۷۳ء) اپنے افکار و اشعار کے دریا ربہار رہے ہیں تو ایک طرف ہمیں شیخ احمد سرہندی (۲۰) (۱۵۶۴ء۔۱۶۲۴ء) باطل پرستوں کے خلاف سینہ سپر ہو کر میدان میں نظر آتے ہیں، وقت جوں جوں آگے بڑھتا ہے ہمیں اسی برصغیر میں دین اسلام کے پرچم کو بلند و بالا کرنے میں ایک طرف مولانا اشرف علی تھانویؒ (۲۱) (۱۸۶۴ء۔۱۹۴۳ء) اور ان کے خلفاء ہیں تو اسی طرح مولانا ابوالکلام آزادؒ (۲۲) (۱۸۸۸ء۔۱۹۵۸ء) اور ان کے ہم خیال علماء کا عظیم اور جلیل القدر طبقہ مسلمانوں کے رہبری کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

تحریک پاکستان کے زمانے میں تو بے شمار اکابرین و مشاہیر، علماء و صوفیا غرض کہ زندگی کے ہر شعبہ حیات سے وابستہ افراد نے اس عظیم الشان تحریک میں اپنا کردار ادا کرنا اپنی ذمہ داری بنالیا تھا اور مسلم لیگ نے تحریک پاکستان کو آخر کار قیام پاکستان کی صورت میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ تحریک آزادی کی جو جنگ پلاسی کے میدان سے ۱۷۵۷ء میں سراج الدولہ (۱۷۲۸ء۔۱۷۵۷ء) نے شروع کی تھی۔ (۲۳) اس آزادی کے قافلے اور سفر میں ہر عہد کے کاروان آزادی کے سپاہی شامل ہوتے گئے، اور اپنے خون جگر سے اس آزادی کی شمع کو جلاتے رہے۔ سید احمد شہید (۱۷۸۶ء۔۱۸۳۱ء) اور مولانا شاہ اسمٰعیلؒ جیسے جلیل القدر فرزند اسلام نے بالاکوٹ کے میدان میں جذبہ شہادت کی عظیم تاریخ روشن کی۔ (۲۴) تحریک و قیام پاکستان کے منزل پر آنے سے پہلے بے شمار مصائب و مشکلات مسلمانوں کو درپیش ہوئیں، لیکن آزادی کے متوالے اور دین اسلام کے چاہنے والے سرفروشان اسلام جذبہ آزادی کے پرچم کو لے کر کاروان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منزل کی طرف گامزن ہوتے رہے۔ آزادی کے ان رہنماؤں کی ایک طویل فہرست ہے لیکن ان ہی میں سے ایک بڑا عہد ساز اور تاریخ ساز نام رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہرؒ کا ہے جن کی زندگی سے دین اسلام کو تقویت و توانائی ملی۔ مسلمانان ہند کے اندر آزادی کا جذبہ پروان چڑھا۔

اورنگزیب عالمگیر (۲۵) (۱۶۱۸ء۔۱۷۰۷ء) شاہ ولی اللہؒ (۲۶) (۱۷۰۳ء ۔۱۷۶۳ء) سرسید احمد خان (۲۷) (۱۸۱۷ء۔۱۸۹۸ء) علامہ اقبالؒ (۲۸) (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء) محمد علی جناح (۲۹) (۱۸۷۶ء۔۱۹۴۸ء) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۳۰) (۱۸۸۵ء۔۱۹۴۹ء)، علامہ سید سلیمان ندوی (۳۱) (۱۸۸۴ء۔۱۹۵۳ء) علامہ راغب احسنؒ (۳۲) (۱۹۰۶ء ۔۱۹۷۵ء) سید حسن امامؒ (۳۳) (۱۸۸۱ء۔۱۹۳۳ء) پیر صاحب مانکی شریفؒ (۳۴) (۱۹۲۲ء۔۱۹۶۰ء) عطاء اللہ شاہ بخاریؒ (۳۵) (۱۸۹۱ء۔۱۹۶۱ء) سید ابوالاعلی مودودیؒ (۳۶) (۱۹۰۳ء۔۱۹۷۹ء) غرض کہ بے شمار ایسے نام ہماری تاریخ کا انمول حصہ ہیں، جنہوں نے آزادی وطن کی تحریک کو اور دین اسلام کے پرچم کو حفاظت سے لے کر آگے بڑھتے رہے۔ مولانا محمد علی جوہر بھی ان ہی جیسے علماء میں یا پھر شاید ان سے زیادہ عظیم علماء کے درجے میں شامل ہیں، جنہوں نے سامراج کے سامنے حق و باطل کا زبردست معرکہ اسلام لڑا۔ (۳۹)

مولانا محمد علی جوہرؒ ۱۹۰۲ء میں انگلستان سے اپنی تعلیمی مصروفیات مکمل کر کے برصغیر واپس آ گئے اور رام پور کے ایک ہائی اسکول کے پرنسپل کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری ادا کرنی شروع کیں، مختصر عرصے بعد ہی ریاست کے چیف ایجوکیشن آفیسر مقرر ہوئے۔ مختلف شہروں اور محکموں میں اپنی خدمات کا سلسلہ ۱۹۱۰ء تک جاری رکھا۔ لیکن حریت و آزادی کی خاطر آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور ۱۴۔ جنوری ۱۹۱۱ء کو کلکتہ سے ایک انگریزی اخبار ''کامریڈ'' کا اجراء کیا۔ (۳۸) آپ کے اس اخبار کی ہندوستان کے چپے چپے میں شہرت و پزیرائی ہوئی۔ حتیٰ کہ آپ کی انگریزی دانی کے مزاج سے لطف اندوز اور مطمئن ہونے کی خاطر انگریز بھی اس کی رکنیت اور ممبر شپ اختیار کرنے لگے۔ آپ کا یہ اخبار تحفہ کے طور پر سرکار برطانیہ کے ایوانوں تک یعنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سات سمندر پار بھی جایا کرتا تھا۔ آپ کی حب الوطنی، دین اسلام کی علمبرداری، حق وصداقت کو دیکھ کر انگریز سامراج آپ کا حقیقی دشمن ہوتا چلا گیا۔ اسی عرصے میں جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء۔۱۹۱۸ء) کا ناقابل فراموش سلسلہ شروع ہوا جس نے پوری دنیا کے بنی نوع انسان کو متاثر کیا۔(۳۹)

ہماری آج کی نوجوان نسل اور خصوصاً پاکستانی عوام و مسلمان اپنے اکابرین و مشاہیر کے نام سے نابلد ہیں، دورِ حاضر کے نوجوانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ آزادی کے سفر میں مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور قومی یکجہتی میں مولانا محمد علی جوہر کے دونوں اخبار نے بڑے موثر اور اہم طور پر اپنا کردار ادا کیا۔ آپ نے نہ صرف برصغیر کے معاملات پر گہری نظر رکھی بلکہ عالم اسلام کے اندر بھی حریت و آزادی کی لہر دوڑائی۔

مسلمانوں کے اندر حب الوطنی اور جوش ہمدردی و بیداری ملت کی سزا آپ کو انگریز سامراج نے یہ دی کہ آپ کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا، دوسال بعد ۱۹۱۹ء میں آپ کو رہائی ملی۔ آپ ایک نڈر، بہادر، بے باک اور مخلص سیاستدان، پرخلوص مسلمان، جادو بیاں و شعلہ نوا مقرر اور ممتاز اہل قلم تھے۔ آپ کے زور خطابت کی انگریز بھی اعتراف کیا کرتے تھے۔ جنگ عظیم (اول) کے اختتام کے بعد انگریزوں نے سلطنت عثمانیہ کے خلاف اپنی مکارانہ و عیارانہ سازشیں شروع کردیں۔ دوسری جانب مولانا محمد علی جوہرؒ نے انگریزوں کے عزائم و ارادے کو محسوس کرتے ہوئے سلطنت عثمانیہ کے حمایت میں برصغیر میں ''تحریک خلافت ۱۹۱۹ء'' کا آغاز کیا اور اس تحریک کو ہندستانی عوام کے ذریعہ مضبوط و منظم کیا۔(۴۰)

تاریخ کا طالب علم اور مؤرخین اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ خلافت ترکیہ اس زمانے میں صرف نام کی رہ گئی تھی، لیکن اس کے باوجود وہ اتحاد عالم اسلامی کا مظہر تھی۔ مسلمانوں کو بالخصوص برصغیر کے مسلمانوں کو اس سے گہری عقیدت جذباتی و مذہبی وابستگی تھی۔ جنگ عظیم اوّل کے دوران برطانوی وزیر اعظم نے اس بات کا اعلان اور یقین دلایا تھا کہ برطانیہ سلطنت ترکی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا اور جنگ کے ختم ہوتے ہی اس کے مقبوضات اس کو واپس مل جائیں گے۔ مولانا محمد علی جوہرؒ تحریک خلافت کی جڑیں عوام اور خصوصی طور پر مسلمانوں میں مضبوط کرنے کے لئے مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی اس متحدہ تحریک و کاوش نے ہندوستان کی برطانوی حکومت کی بنیادیں ہلا دیں، لیکن ہندوؤں نے آہستہ آہستہ اس تحریک سے اپنا دامن چھڑا لیا۔ مولانا محمد علی جوہرؒ کو اس بات کا شدت سے احساس ہوتا چلا گیا کہ حکومت برطانیہ تک تو ان کی آواز اور تعلیم یافتہ افراد تک ان کی فریاد کا ذریعہ کامریڈ بن چکا ہے، مگر عوام جن کی اکثریت زیادہ تعلیم یافتہ تو در کنار ان پڑھوں کی بھرمار تھی، لہٰذا ان کے شعور و بیداری اور سیاسی و ملی آبیاری کے لئے آپ نے فروری ۱۹۱۲ء میں روزنامہ ''ہمدرد'' کا اجرا کیا۔ (۴۱) مولانا محمد علی جوہرؒ کے یہ دونوں اخبارات اپنی آب و تاب اور بڑے انہماک سے عوام الناس خصوصاً مسلمانوں کے اندر زندگی کی نئی لہر پیدا کرنے میں مصروف بہ عمل تھے۔ ان اخبارات کی خاص بات حکومت پر تنقید اور بے باکی سے اظہار خیال کیا جاتا تھا۔

مولانا محمد علی جوہرؒ نے مختصر مدت میں ہندوستان کے بڑے علاقوں کا دورہ کر کے ہندوستانی عوام میں سیاسی شعور کی بیداری کے لئے تقریریں کرتے۔ آپ کا گرجنا اور برسنا کے لوگوں کے دلوں کو موم کیا کرتا تھا، لوگوں کا ہجوم آپ کے گرد وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ ہندو و مسلم سب اس تحریک خلافت کا حصہ بننے لگے۔ تحریک خلافت نے ہندوستانی عوام کے دلوں میں زندگی کی ایک نئی لہر اور جینے کی ایک نئی تمنا پیدا کر دی تھی اور یہ سب کچھ کرنے کا سہرا اور وسیلہ اللہ رب العزت نے مولانا محمد علی جوہرؒ کو بھی بنایا تھا۔ (۴۲)

ہندوستان کی سرزمین پر مولانا محمد علی جوہرؒ کی شروع کی گئی تحریک خلافت کا پہلا جلسہ یا کانفرنس نومبر ۱۹۱۹ء میں دہلی کے مقام پر ہوا۔ (۴۳) تحریک خلافت کی اس پہلی کانفرنس میں ہندوؤں اور کانگریس کے سب سے بڑے سیاسی پنڈت و رہنما مہاتما گاندھی۔ (۴۴) (۱۸۶۹ء۔۱۹۴۸ء) نے بھی شرکت کی تھی۔ ہندو مسلم اتحاد کے نعرے اس تحریک خلافت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پلیٹ فارم سے گونجنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی برصغیر میں چند ایک ایسے واقعات وقوع پزیر ہوئے جن سے محمد علی جوہرؒ نے تحریک خلافت کی بنیاد رکھی۔ یہ حقیقت ہے کہ برطانوی عہدیدار، خلافت سے متعلق مسلمانوں کے احساس وجذبات سے بخوبی آگاہ تھے۔ چنانچہ وائسرائے ہند کو اس بات کا یقین دلایا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کے احساسات کا مکمل خیال رکھیں گے۔

مولانا محمد علی جوہرؒ اور دوسرے ہندی مسلم رہنماؤں نے برطانوی جنگ کے پروگرام کو مسلمانوں کے جذبات ابھارنے کا ایک سنہرا موقع تصور کیا اور تحریک خلافت کو پورے برصغیر میں پھیلا دیا گیا، ہندوؤں سے مسلمانوں نے تعلقات استوار کیے، سب نے آنکھیں بند کر کے مسٹر گاندھی کی متابعت کی تھی اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ''النور'' رسالہ کے فاضل مصنف اس قسم کے سوچ وفکر کو 'علمائے سو کی ہندو پرستی' سے تعبیر کرتے ہیں اور اس طرح مخاطب ہوئے ہیں۔

''اے گروہ ناخدا ترس:۔ جو تمہارے لیڈر کہتے ہیں تم اسی کی محاکمات کر دیتے ہو اور ان لیڈروں کا منبع ومرکز وہی سرکار گاندھی اور ان کی ہنود پارٹی ہے۔ اس بات کو ہم یوں زیادہ بہتر طور پر بیان کر سکتے ہیں کہ ایک تحریک اگر گاندھی جی پیش کیا کرتے تھے تو ہمارے تعلیم یافتہ حضرات اس کی آواز اور فریاد پر لبیک کہا کرتے تھے۔ علماء سیاسی کا جبہ وعمامہ اسے شرعی جامہ پہناتا ہے ان علماء کی یہ مجال نہیں کہ وہ بطور خود کوئی تحریک پیش کر سکیں یا کسی تحریک کے سامنے ''آمنا وصدقنا'' کے سواء کوئی آواز بلند کرنے کی بھی جراءت کریں۔ (۴۵)

تحریک خلافت کے زمانے میں مسلمانوں نے ہندوؤں کو بہت زیادہ اولیت دی، اس عہد کی تصویر اتارتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کہتے ہیں: ''اس میں شک نہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں بہت سی خرابیاں تھیں، زوال پذیر تمدن میں بہت سے ناسور پیدا ہو چکے تھے، اور اگر ان کی اصلاح نہ کی جاتی تو مزید کیڑے پڑنے کا اندیشہ موجود تھا۔ (۴۶) یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ۱۸۵۷ء سے قیام پاکستان تک مختلف تحاریک کے دوران مسلمانان ہند زوال پزیر رہے۔ کیونکہ اغیار کی محکومیت اختیار کر کے وہ بے شمار معاشی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسی، تمدنی، مذہبی اور اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہو چکے تھے۔ (۴۷) مسلمانوں کی طرف سے اس قسم کے فتوے صادر ہوئے کہ مسلمان بکرے یا مینڈھے کی قربانی کرلیں، گائے کی قربانی سے اجتناب کریں، رامائن لچھمن کی پوجا میں مسلمان شریک ہوئے، کالکا پر ریوڑیاں مسلمانوں نے چڑھائیں، رامائن کو تاج مسلمانوں نے پہنایا، سنگھم و پریاگ کو مقدس معبد مسلمانوں نے کہا۔ ہندو مسلم اتحاد کی بات کی جارہی تھی اور ایک نئے دین یعنی مذہب کے ایجاد کرنے کی باتیں دونوں طبقوں کی طرف سے ہو رہی تھیں۔ شریعت اسلامی سے روگردانی کی گئی۔ (۴۸) جبکہ ہندوؤں نے اس زمانے میں مسلمانوں کے ساتھ جو ظلم کیا اس کی ایک تصویر کٹاپور کا واقعہ بھی تھا اسی واقعہ کے حوالے سے سردار محمد خاں عزیز لکھتے ہیں: ''کٹاپور میں ہندوؤں نے مسلمانوں پر جو ناگفتہ بہ مظالم ڈھائے تھے، گاندھی جی اور دیگر ذمہ دار ہندو لیڈروں نے اظہار تاسف بھی نہ کیا۔ (۴۹) کٹاپور کے ہی سلسلے میں راجہ رشید محمود اپنی کتاب تحریک ہجرت ۱۹۲۰ء میں فرماتے ہیں:

> ''کٹاپور کے ہندوؤں نے قربانی کے موقع پر مظلوم مسلمان مرد و عورتوں کو زندہ جلا دیا۔ ہندو لیڈر ہندو قاتلوں کو بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے، جبکہ دوسری طرف تحریک خلافت کمیٹی کے علی برادران قرار داد پاس کرنے میں مصروف تھے، تا کہ اس ظلم پر بھی ہندوؤں کا بال بیکا نہ ہو سکے۔ (۵۸)

چوہدری خلیق الزماں (۱۸۸۹ء۔۱۹۳۷ء) اپنی کتاب شاہراہ پاکستان میں تحریر کرتے ہیں تحریک خلافت اور تحریک موالات کے خاتمے کے بعد ہندو مسلم اختلافات پہلے سے بھی زیادہ شدت سے ابھرے اور مسلمانوں کے خلاف سنگھٹن اور شدھی جیسی تحریکوں نے جنم لیا۔ (۵۷) مسلمانوں نے اس تحریک کے ضمن میں گرفتاریاں پیش کیں، اس طرح سے ہندوستان کے کو دارالحرب قرار دینے اور مسلمانوں پر دارالسلام کی طرف ہجرت کو واجب کرنے والے فتوے نے اس تحریک کو نیا رخ دیا۔ (۵۲) ہزارہا مسلمانوں نے اس فتوے کی بنیاد پر افغانستان کی طرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہجرت کی، اکثر کو راستے میں روک دیا گیا اس طرح کہا جاتا ہے کہ واپس انتہائی مشکل اور سیکڑوں اموات کا باعث بنی۔(۵۳)

تحریک پاکستان کے مؤرخ شریف المجاہد تحریر کرتے ہیں کہ "تحریک خلافت کے خاتمے نے ہندو مسلم تعلقات کو بری طرح متاثر کیا، آئندہ چند برسوں میں ہندو مسلم فسادات ہوئے، جن میں دونوں طرف سے بے شمار جانیں تلف ہوئیں۔(۵۴) شدھی اور سنگھٹن نے جن کا قیام عمل میں آچکا تھا انہوں نے ہند سے مسلمانوں کے مکمل خاتمے کا اعلان کر دیا۔(۵۵)

تحریک خلافت میں ہندوؤں کی اور کانگریس کی شمولیت اپنے ذاتی مفادات کی خاطر تھی۔ انہوں نے اپنے فوائد کو دیکھ کر مسلمانوں کے ساتھ اس تحریک میں شمولیت اختیار کی تھی۔ لیکن پاکستان کے ایک مورخ ضیاء الحسن فاروقی کہتے ہیں کہ ہندوؤں کو مسئلہ خلافت میں مسلمانوں سے کامل ہمدردی تھی، اور اس کی وضاحت انہوں نے اپنی کتاب میں کی ہے۔ تحریک خلافت کا دوسرا اجلاس ۲۰ جون ۱۹۲۰ء کو ہوا جس میں عدم تعاون (۱۹۱۸ء) اور ترک موالات (۱۹۱۹ء) کا منصوبہ تیار کیا گیا اور اس بات کا فیصلہ ہوا کہ سرکار کے تمام خطابات واپس کر دیئے جائیں، اداروں کا بائیکاٹ کیا جائے اور سرکاری نوکری سے استعفیٰ دیدیا جائے۔

مورخین کا خیال ہے کہ تحریک خلافت میں سیاسی جدوجہد سے زیادہ مذہبی جوش وخروش کا رنگ غالب تھا، برصغیر پاک و ہند کو پہلے ہی دارالحرب قرار دیا جا چکا تھا۔ اسی طرح اگست ۱۹۲۱ء میں موپلا بغاوت جو مالا بار میں ہوئی، اس نے بھی مذہبی جوش وخروش کو ہوا دی۔ ہندوؤں اور انگریزوں کے ظلم سے تنگ آ کر مسلمان مزدوروں نے بغاوت کر دی۔

غرض کہ مولانا جوہر برصغیر کے مسلمانوں کے ایک عظیم سیاسی وملی رہنما اور عظیم فرزند تھے جنہوں نے حق گوئی اور مسلمانوں کے حق اور دفاع کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی، اور اس کوشش میں ۴ر جنوری ۱۹۳۱ء کو لندن میں گول میز کانفرنس کے دوران اپنی جان مالک حقیقی کے سپرد کی۔ آپ کو بیت المقدس میں دفن کیا گیا، آپ کی خدمات تاریخ پاک و ہند میں ہمیشہ جگمگاتی رہیں گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر سکندر حیات خان، تحریک پاکستان، اسلام آباد، اردو سائنس بورڈ، پیش لفظ

۲۔ راہی، احمد مصطفیٰ صدیق، مسلمان فاتحین، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۴ء، ص ۱۳۰

۳۔ ایضاً

۴۔ محمد علی چراغ، مسلم شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا، لاہور، نذیر سنز، ۲۰۰۵ء

۵۔ عبدالقیوم، تاریخ پاک و ہند، امریکہ، سلور برڈ و کمپنی، ۱۹۵۴ء، ص ۱۲

۶۔ ملک، ڈاکٹر، مختار احمد، تحریک آزادی کے نمائندہ مسلم مجاہدین، لاہور، چوہدری غلام رسول اینڈ سنز، ۲۰۰۷ء، ص ۲۸۰

۷۔ ارشد، عبدالرشید، بیس بڑے مسلمان، لاہور، مکتبہ رشیدیہ، ۱۸۶۷ء، ص ۲۷

۸۔ طارق صادق حسین، تحریک پاکستان، راولپنڈی، یوسف پبلشرز، سن ندارت، ص ۱۰۵۔۱۰۶

۹۔ پیرزادہ، شریف الدین، پاکستان منزل بہ منزل، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۱۳۰۔۱۲۸

۱۰۔ مفتی، ڈاکٹر مختار احمد، تحریک آزادی کے نمائندہ مسلم مجاہدین، لاہور، چوہدری غلام رسول اینڈ سنز، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۳

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ محمد حسین صدیقی، بیس بڑی خواتین، کراچی، داراشاعت، ۲۰۰۵ء، ص ۱۴۷

۱۳۔ عبدالرسول، صاحبزادہ، تاریخ پاک و ہند، لاہور، ایم آر برادرز، ص ۳۸۰

۱۴۔ ابدالی، سید محمد رضی، رہبران پاکستان، کراچی، ابدالی اکیڈمی، ۲۰۰۳ء، ص ۲۲۔۲۱۸

۱۵۔ پیرزادہ، شریف الدین، پاکستان منزل بہ منزل، کراچی، شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۱۳۰۔۱۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۶۔ عبدالرسول، صاحبزادہ، تاریخ پاک و ہند، لاہور، ایم آر برادرز، ص ۳۸۰۔۳۸۱

۱۷۔ نواب، اعجاز احمد، ۱۰۰ عظیم مسلمان، راولپنڈی، اشرف بک ایجنسی، ۲۰۰۱ء، ص ۲۳۴

۱۸۔ چراغ، محمد علی، مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، لاہور، نذر سنز، ۲۰۰۵ء، ص ۱۲۸

۱۹۔ خان آصف، اللہ کے سفیر، دہلی، اعتقاد پبلکیشن کمپنی، ۲۰۰۴ء، ص ۱۲۳

۲۰۔ مظہر، ولی، عظمتوں کے چراغ، ملتان، مجلس کارکنان تحریک پاکستان، ۱۹۹۰ء، ص ۱۸

۲۱۔ ڈاکٹر، قاری فیوض الرحمٰن، مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے خلفاء، کراچی مجلس نشریات اسلام، ۱۹۹۷ء، ص ۱۰۸

۲۲۔ چراغ، محمد علی، مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، لاہور، نذر سنز، ۲۰۰۵ء، ص ۸۰

۲۳۔ مظہر، ولی، عظمتوں کے چراغ، ملتان، مجلس کارکنان تحریک پاکستان، ۱۹۹۰ء، ص ۱۴۲،

۲۴۔ ملک، ڈاکٹر مختار احمد، تحریک آزادی کے نمائندہ مسلم مجاہدین، لاہور، چوہدری غلام رسول، سن نادارد، ص ۲۶۰

۲۵۔ اعظم شیخ، برصغیر کے عظیم لوگ، لاہور، مشتاق بک کارنر، ۲۰۰۵ء، ص ۱۳۱

۲۶۔ مظہر، ولی، عظمتوں کے چراغ، ملتان، مجلس کارکنان تحریک پاکستان، ۱۹۹۰ء، ص ۸۱۰

۲۷۔ پیرزادہ، شریف الدین، پاکستان منزل بہ منزل، کراچی، جامعہ کراچی شعبہ تصنیف وتالیف، ۱۹۶۷ء، ص ۶۴

۲۸۔ چوہدری، محمد اعظم، اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین، کراچی، غضنفر اکیڈمی، ۲۰۰۵ء، سن ندارد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۹۔ ڈاکٹر سکندر حیات خان، تحریک پاکستان ادوار و ارتقاء، اسلام آباد، اردو سائنس بورڈ، سن ندارت، ص ۲۱

۳۰۔ خان، منشی عبدالرحمٰن، تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۹۲ء، ص ۱۵۔۱۰۹

۳۱۔ ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی، علامہ سید سلمان ندوی، شخصیات کے کردار و خدمات، کراچی، مجلس نشر و اشاعت اسلام کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۱۷

۳۲۔ فرید الحق، محمد، اقبال، جہاں دیگر، کراچی، گردیزی پبلشرز، ۱۹۸۳ء، ص ۲۵۔۲۰

۳۳۔ نکی، ڈاکٹر مختار احمد، تحریک پاکستان ک نمائندہ مسلم مجاہدین، لاہور، چوہدری غلام رسول اینڈ سنز، ص ۱۵۶۰

۳۴۔ قصوری، محمد صادق، تحریک پاکستان اور مشائخ عظام، لاہور، ص ۲۰۲

۳۵۔ ابدالی، سید محمد رضی، رہبران پاکستان، کراچی، ابدالی اکیڈمی، ۲۰۰۳ء، ص ۱۱۴

۳۶۔ نواب اعجاز احمد، سو عظیم مسلمان، راولپنڈی، اشرف بک ایجنسی، ۲۰۰۱ء، ص ۲۶۲

۳۷۔ ایضاً

۳۸۔ ڈاکٹر ایچ بی خان، تحریک پاکستان اسیاسی و عملی کردار کراچی، ایجوکیشن ایکڈمی، ۱۹۹۲ء، ص ۱۹۹

۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ ولی مظہر، عظمتوں کے چراغ، مجلس تحریک کارکنان پاکستان، مجلس تحریک کارکنان، ملتان، ۱۹۸۷ء، ص ۱۹۸

۴۱۔ اقبال احمد صدیقی، اکابرین قائداعظم کے سیاسی رفقاء، کراچی، ۱۸۸۷ء، ص ۱۹۱

۴۲۔ ایضاً

۴۳۔ مولانا محمد میاں، علماء ہند کے شاندار کارنامے، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۱۷۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۴۔ اعظم شیخ، برصغیر کے عظیم لوگ، لاہور، مشتاق بک کارنر، ۲۰۰۴، ص ۲۵۰

۴۵۔ اعظم شیخ، برصغیر کے عظیم لوگ، لاہور، مشتاق بک کارنر، ۲۰۰۴، ص ۲۹۵

۴۶۔ محمد سلیمان اشرف، پروفیسر، الفور، مطبوعہ علی گڑھ کالج، ۱۹۲۱ء، ص ۱۵۱۔۱۵۰

۴۶۔ ذوالفقار، پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین، مولانا ظفر علی خان، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۲۰

۴۷۔ شفیق صدیق، حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، ادارہ پاکستان مشتاق، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۴۱

۴۸۔ محمد سلیمان اشرف، پروفیسر، الفور، مطبوعہ علی گڑھ، ۱۹۲۱ء، ص ۲۱۶

۴۹۔ عزیز، چوہدری سردار محمد خاں، حیات قائد اعظم، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۷۳

۵۰۔ رشید، محمود، راجا، تحریک ہجرت، ۱۹۲۰ء، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۵۵

۵۱۔ چوہدری خلیق الزماں، شاہراہ پاکستان، شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۳۴۰۔۳۴۳

۵۲۔ ایضاً

۵۳۔ Ifzal, Iqbal, Life and Spceles of Mohammad Ali, Lahor, 1974, p139

۵۴۔ Waheed uzzaman, Towards Pakistan, caher, imted publication, 1978, pp29

۵۵۔ ڈاکٹر سکندر حیات خان، تحریک پاکستان، ابتداء وارتقاء، اردو سائنس بورڈ، اسلام آباد، ص ۱۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیارے بچوں کے لئے
پیارے نبیﷺ کی سیرتِ طیبہ

مع سوال و جواب

مصنفہ: ڈاکٹر مسز بشریٰ امام الدین

مطبوعہ: دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

مسلمانوں کی مقدس مائیں

عبرت و نصیحت کے آئینہ میں
دلچسپ و حیرت انگیز واقعات

مع سوال و جواب

ڈاکٹر مسز بشریٰ بیگ

(زیرِ طبع)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا محمد علی جوہرؒ کے سیاسی افکار

پروفیسر عظمیٰ علی اختر
لیکچرار شعبہ اردو، ڈی اے کالج برائے خواتین ڈیفنس اتھارٹی کراچی

Prof. Uzma Ali Akhtar

ABSTRACT:

Political Ideology

The country of origin of M.A Jauhar was Najeebabad District Bajnor, which is in U.P. He was Born in December 1878 in Rampur. His grandfather was highly placed in Rampur. His father, Abdul Ali Khan was also a notable figure of the district.

Muhammad Ali and Shaukat Ali were sent to Muhammadin Anglo Oriental College for higher education, where they excelled due to their intelligence and hard work. Muhammad Ali also excelled at the Aligarh College by obtaining the first position. He then proceeded to the U.K. and remained there for four years for perusing studies at the Oxford University for a degree in Arts in the English Language. He obtained the B.A. degree in 1902 and returned to Rampur to become the Secretary, Education. In 1910 Muhammad Ali launched his own English weekly

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

magazine by the name of "Comrade" Both the brothers were jailed in 1910 by the British Rulers after they suspected them to be a part of the Pan Islamic Movement. The task of making the constitution started, with Pandit Nehru, a leading expert lawyer as the chairman of this committee.

Though the object of movement for caliphate was to protect the interests of the Usmania Caliphate and for the rule of Muslims in the Arabian Hemisphere.

A historical conference of the caliphate Movement was held in Karachi from July 8, 1921 under the Presidentship of Muhammad Ali Jauhar.

رئیس الاحرار، قائد ملت مولانا محمد علی جوہر کا آبائی وطن نجیب آباد ضلع بجنور تھا۔ جو کہ یو۔ پی میں واقع ہے۔ ان کی ولادت دسمبر ۱۸۷۸ء میں ریاست رام پور میں ہوئی۔ مولانا کے دادا ریاست رام پور میں اعلیٰ عہدے دار تھے۔ ان کے تمام اقرباء اردو، فارسی اور عربی میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے۔ رام پور کے معززین و شرفاء میں اس خاندان کے بزرگوں کو بلند مقام حاصل تھا۔ مولانا محمد علی کے والد بھی جن کا نام عبدالعلی خان تھا۔ ریاست کے ایک ممتاز اہلکار تھے اور والئی ریاست نواب یوسف علی خان کے مقربین خاص میں سے تھے۔ اس خاندان کو والیانِ ریاست میں سے کسی نے "خان" کا خطاب دیا تھا لیکن اکثر اصحاب نے اپنے نام کے ساتھ "خان" لکھنے سے گریز کیا۔ عبدالعلی خان کے پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ والد کی وفات کے بعد محمد علی کی والدہ ماجدہ محمدی بیگم جو بی اماں کے نام سے مشہور ہوئیں نے پانچ بچوں کی پرورش بڑے احسن انداز سے کی خود زیادہ تعلیم نہیں پائی تھی صرف معمولی اردو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور قرآن مجید مع ترجمہ تک کی قابلیت تھی تاہم اولاد کو جدید تعلیم سے آراستہ کیا۔ غالباً رام پور میں گڑھ کے پہلے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گریجویٹ مولانا شوکت علی تھے۔ ان کے بڑے بھائی ذوالفقار علی خان اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے انگریز حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے وہ شاعر بھی تھے اور گوہر تخلص کرتے تھے۔ محمد علی اور شوکت علی کو محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں اعلیٰ تعلیم کی غرض سے بھیجا گیا۔ علی گڑھ کی تعلیم کے دوران غیر معمولی ذہانت اور محنت کے سبب دونوں برادران نے اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ محمد علی نے صرف علی گڑھ سے ہی نہیں بلکہ الہ آباد یونیورسٹی سے جس کا اس زمانے میں علی گڑھ کالج کا الحاق تھا، اوّل نمبر سے کامیاب ہوئے، محمد علی جوہر انگلستان گئے اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں انگریزی میں بی اے پاس کرنے کی غرض سے چار سال وہاں مقیم رہے۔ بی اے پاس کرنے کے بعد انڈین سول سروس کے امتحان کی تیاری کی، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس بارے میں محترم میر محفوظ علی بدایونی نے جو ان کے ایک مخلص سینئر ساتھی اور مستند ادیب تھے بالکل بجا فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

> ''جب محمد علی ولایت کو روانہ ہوئے تو ان کے دماغ پر عقل مآل اندیش کا قبضہ تھا۔ مگر اُن کے دل پر عشق مصلحت ناشناس کا غلبہ تھا اور ان کے مستقبل کی تشکیل میں دونوں کی رقابت ومناقشت کارفرما تھی۔ عقل کی رائے تھی کہ وہ مسٹر ایم علی آئی سی ایس بنائے جائیں، مگر عشق کی صلاح کہ رئیس الاحرار مولانا محمد علی بنیں۔ عقل کی مرضی تھی کہ وہ انصاف کی کرسی پر بٹھائے جائیں، مگر عشق کی خوشی کہ الزام کے کٹہرے میں کھڑے ہوں۔ عقل نے انہیں سزا دینے کا طریقہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا مگر عشق نے سزا پانے کا سلیقہ سکھانا چاہا۔ عقل نے ان کے لئے جج کا چغہ اور وزارت کا خلعت مگر عشق نے جیل کا کرتہ اور حج کا احرام پہنانا چاہا۔ عقل کا مشورہ تھا کہ وہ بریڈ لا اور انگرسال کے زمرۂ شاگردی میں جائیں مگر عشق کا فتویٰ تھا کہ اویس قرنیؓ اور بلالؓ کے حلقۂ غلامی میں آئیں۔ غرض یہ کہ عقل کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیصلہ تھا کہ وہ یزید مگر عشق کا مشورہ تھا شہید ہوں، اس کشاکش میں آخرکار
عشق ہی کامیاب ہوا یعنی محمد علی سول سروس کے امتحان میں ناکام ہو گئے۔
یہ اس میدان کی پہلی فتح تھی اور مکتبہ عشق کا پہلا سبق تھا'' (۱)

یہ عشق تھا اسلام کا، خدمت و نصرتِ دین کا، امت مرحومہ کی حفاظت ناموس کا اور مسلمانوں کی صلاح وفلاح اور بہبود کا۔ اسی کے ایک معمولی اشارے نے بعد میں ریاست بڑودہ کی ملازمت سے پہلے برداشتہ خاطر اور پھر بیزار کیا، محمد علی جو ابھی مسٹر محمد علی بی اے (علیگ) اور بی اے (آکسن) تھے۔ ۱۹۰۲ء میں بی اے کی ڈگری آکسفورڈ سے لے کر اپنے وطن ریاست رامپور آئے۔ اور ریاست کی شرط کے مطابق وہاں سیکریٹری تعلیمات مقرر ہوئے ۱۹۱۰ء میں محمد علی نے کلکتہ سے اپنا ذاتی انگریزی ہفت روزہ ''کامریڈ'' جاری کیا۔ جس نے ہندوستان کی دنیائے صحافت میں ایک دلچسپ اور حیرت انگیز اضافہ کیا۔ اس اخبار کے اداریے اور مضامین تاریخ صحافت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ مظاحیہ کالم ''گپ'' اس قدر مقبول ہوا کہ بڑے بڑے انگریز صحافیوں اور افسروں میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ اس وقت کا کمشنر دہلی جو ایک انگریز تھا اور مولانا کا بے تکلف دوست تھا، کا کہنا تھا کہ ''اس وقت انگلستان میں بھی اس پایہ کوئی اخبار شائع نہیں ہوتا'' ''کامریڈ'' اس زمانے میں دہلی سے شائع ہو رہا تھا۔ کیونکہ مولانا ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کی تنسیخ کے بعد وائسرائے ہند کے دفاتر کلکتہ سے منتقل ہو کر دہلی آگئے تھے، اور اس طرح دارالحکومت کلکتہ کے بجائے دہلی ہو گیا تھا۔ اس وقت مولانا بھی اپنا اخبار ''کامریڈ'' کلتہ سے دہلی لے آئے تھے، اور کوچہ چیلاں میں ایک وسیع کوٹھی میں یہ دفتر تھا اور مولانا مع خاندان وہیں رہائش پذیر تھے۔ اس کا خاص سبب یہ تھا کہ کونسل وغیرہ کے دفاتر بھی دہلی آگئے تھے، اور ان کی کارروائیوں پر تبصرہ ونکتہ چینی کرنے میں سہولت ہوتی تھی۔ انہوں نے دہلی کے قیام کے زمانے میں صحافتی زندگی کے ساتھ سیاسی مشاغل میں بھی پوری طرح حصہ لینا شروع کر دیا تھا، اور ان کی زندگی کا رُخ ہی نئے طرز و اسلوب پر نظر آنے لگا۔ محمد علی ہر سرکاری محفل کی جان سمجھے جاتے تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن ملک اور مسلمانوں کے سیاسی حالات دیکھ کرانہوں نے پہلے صحافت کے ذریعے تحریری طور پر سیاست میں شرکت شروع کی۔ بعد میں کانگریس کے رکن اور ممتاز رہنما بن کر قومی سیاست میں نمایاں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ مسلمانانِ عالم کو متحد و متفق کرنے اور تعمیر سیرت و کردار اور حصولِ آزادی کی بیداری پیدا کرنے کے لئے مسلمانانِ عالم کی ہر ممکن خدمت کا عزم کیا تا کہ دنیا بھر کے مسلمان باہمی اتحاد و اتفاق سے اپنے دینی و ملی فرائض و حقوق کا بخوبی تحفظ کرنے کے قابل ہو سکیں۔ آخر ملت اسلامیہ میں رونما بیداری کی غرض سے مولانا نے اتحادِ عالم اسلام کی بنیاد ڈالی۔ بنیادی طور پر اس تخیل کے بانی علامہ جمال الدین افغانی تھے۔ اس زمانے میں دہلی سے مولانا محمد علی اپنے دونوں انگریزی اور اردو اخبار نکال رہے تھے ان سیاسی سرگرمیوں کے نتیجہ میں انگریز حکام کو ان سے بدظن کر دیا اور دونوں بھائیوں نے خود بھی انگریز دوستی سے رفتہ رفتہ کنارہ کشی اختیار کرنا مناسب سمجھا۔ مولانا شوکت علی اگرچہ اس زمانے میں سیاست میں شریک نہیں تھے لیکن برطانوی حکام کو ان پر بھی شبہ ہوا، غرض یہ کہ پان اسلام ازم کی تحریک کے نتیجے میں حکومت نے دونوں بھائیوں کو گرفتار کر لیا، اور ۱۹۱۰ء میں مہرولی کے قبضے میں جو دہلی کے ضلع میں تقریباً شہر سے پندرہ سولہ میل دور ہے اور وہاں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی درگاہ اور قطب مینار واقع ہیں نظر بند کر دیا، اور بغیر کسی مقدمے کے چار سال تک نظر بند رکھا۔ بی اماں نہایت شکر و صبر کے ساتھ دونوں لاڈلے بیٹوں کی اسیری پر مطمئن بلکہ بڑی حد تک خوش تھیں کہ خدا نے ان کے بیٹوں کو دین اور قوم کی خدمت کے لائق بنایا۔

نظر بندی کے دوران کئی بار ''علی برادران'' کو بعض اعلیٰ حکام نے جا کر اپنی سرگرمیوں اور حکومت کی مخالفت سے باز رکھنے کے لئے کوششیں کیں اور اس کے بجائے بڑے بڑے سرکاری عہدے حتیٰ کہ محمد علی کو وائسرائے کی کونسل میں شامل ہونے کی پیشکش کی۔ لیکن ہر بار دونوں بھائیوں نے اسے رد کر دیا۔ اس زمانے میں جب بی اماں کو یہ اطلاع ملی کہ انگریزی حکومت علی برادران کو اپنی طرفداری پر آمادہ کرنے کے لئے عہدے پیش کر رہی ہے تو انہوں نے بیٹوں کو یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیغام بھیجا کہ ایسی رہائی اور آزادی جس سے خاندانی اور دینی وقومی غیرت کو ٹھیس پہنچے یا غلامی کی زندگی کسی بڑے عہدے کو قبول کر کے اختیار کرو۔

اگر تم دونوں میں سے کسی نے گوارا کی تو یاد رکھو نہ کبھی تمہاری صورت دیکھوں گی اور نہ دودھ بخشوں گی۔ ایسی قید جس سے دین اور وطن کو فائدے کی امید ہو ہزار درجہ آزادی سے بہتر ہے۔ مرنا گوارا کر لینا، مگر حکومت سے ہرگز صلح نہ کرنا، نہ کوئی عہدہ قبول کرنا''۔

علی برادران نے ماں کو اطلاع کرائی کہ

''میا! آپ بالکل فکر نہ کریں ہم آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم ہیں اور انشاء اللہ قائم رہیں گے ہمارے لئے دعا کیجئے کہ کبھی راہِ حق سے نہ بھٹکیں۔''

آخر ۲۵ دسمبر ۱۹۱۹ء کو جو شاہی اعلان عام سیاسی اسیروں کی رہائی کا ہوا اس کے تحت علی برادران کو بھی رہا کر دیا گیا۔ مولانا جوہر نے جو اس موقع پر غزل کہی تھی اس کا ایک شعر زیادہ حسب حال تھا۔

یہ نظر بندی تو نکلی ردِّ سحر دیدۂ ہوش اب جا کر کھلے

اس موقع پر علی برادران کا سارے ملک میں ہندو مسلمانوں اور سکھوں نے بڑے جوش وخروش سے خیر مقدم کیا۔ امرتسر میں انہی دنوں نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس ہونا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی دونوں سیدھے امرتسر پہنچے۔ اس شاندار جلوس میں جو علی برادران کی آمد پر نکالا گیا تھا ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ اس میں کانگریس کے سارے بڑے بڑے لیڈر شریک تھے۔ علامہ اقبال نے اجلاس میں شرکت کر کے علی برادران کو خراجِ عقیدت وتحسین پیش کرنے کی غرض سے ایک نظم پڑھی جس نے اجلاس میں ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی، حاضرین نے متفقہ طور پر ''انقلاب زندہ باد'' ''علی برادران زندہ باد'' کے نعرے لگائے، یہ زمانہ ہندو مسلم اتحاد کا ایک خوشگوار زمانہ تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''کانگریس کی طرف سے مسلمانوں کے غیر مشروط اور شریفانہ تعاون کا مسئلہ نہرو رپورٹ کی صورت میں دیا گیا۔ یہ ہندوستان کا وہ آئین تھا جسے کانگریس کی سرپرستی میں پنڈت موتی لال نہرو نے اپنے رفقاء کار کے اشتراک و تعاون سے تیار کیا تھا۔ اس وقت کے وزیر ہند برکن ہڈ نے ایک چیلنج دیا تھا کہ ہندوستانیوں میں اتنی پھوٹ ہے کہ وہ اپنا متفقہ و متحدہ دستور بھی نہیں بنا سکتے، کانگریس نے یہ چیلنج قبول کرلیا اور دستور سازی کا کام شروع کر دیا۔ پنڈت نہرو بہت بڑے ماہر آئین و قانون تھے۔ انہی کی صدارت میں دستور ساز مجلس مرتب کی گئی، مجلس خلافت کی طرف سے مسٹر شعیب قریشی اس کے رکن تھے۔ اب تک مسلمان غیر مشروط تعاون کر رہے تھے، اب تک وہ بغیر کسی صلہ کے جہاد حریت میں شرکت کر رہے تھے، اب تک بغیر کسی مطالبہ کے ہندوستان کو برطانوی سامراج کے پنجے سے چھڑانا چاہتے تھے، وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہندوستان آزاد ہو، پھر باہمی مسائل طے ہوتے رہیں گے۔ حصوں کی تعین اور تقسیم ہوتی رہے گی، لیکن اب ہندوستان کا دستور حکومت بن رہا تھا۔ برطانوی وزارت کی منظوری اور ہندوستان میں نفاذ کے لئے ایک دستور تیار ہو رہا تھا۔ جس میں بتایا گیا تھا کہ اکثریت کی حیثیت کیا ہوگی اور اقلیت کی پوزیشن کی ہوگی؟ اب ناممکن تھا کہ مسلمان خاموش رہتے، کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ سکوت سے کام لیتے جب تک حق اور حصے کا سوال نہیں اٹھا تھا وہ چپ تھے، لیکن جب حق کی تعیین ہونے لگی اور حصہ تقسیم ہونے لگا تو وہ کیوں خاموش رہتے؟ اگر آج خاموش رہتے تو انہیں کل بولنے کا حق کیوں ملتا؟ نہرو رپورٹ کے واضعین نے اگر بطور خود مسلمانوں کے حقوق اور مطالبات تسلیم کر لئے ہوتے تو کوئی بات نہیں تھی، لیکن ایسا نہیں ہوا، شعیب قریشی کے پیہم اصرار کے باوجود نہیں ہوا، آخر وہ الگ ہو گئے، پنڈت نہرو نے خلیق الزماں وغیرہ سے کام چلایا اور نہرو رپورٹ کو ہندوستان کا متفقہ دستور بنا کر پیش کر دیا۔ (۲)

سب سے پہلے اس روش کے خلاف صدائے احتجاج جناب مولانا شوکت علی نے بلند کی اور پھر محمد علی جوہر کا نعرہ گونجا۔ ان دونوں بھائیوں کی قیادت میں مسلمانوں نے نہرو رپورٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔علی برادران نے مجلس خلافت کی طرف سے گاندھی جی سے کہا کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات منظور فرمالیں تاکہ اس جنگ حریت میں مسلمان ان کا ساتھ خلوص قلب سے دیں، لیکن انہوں نے کہا کہ پہلے آزادی پھر بات چیت، مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ غیر مشروط طور پر اس جنگ میں ہمارا ساتھ دیں۔ اگر انہوں نے ہمارا ساتھ نہ دیا تو وہ نقصان میں رہیں گے کیونکہ آزادی ہم تنہا حاصل کرلیں گے۔

''گو تحریک خلافت کا مقصد ابتداء میں خلافت عثمانیہ کا تحفظ اور جزیرۃ العرب پر مسلمانوں کا قبضہ تھا، لیکن کارکنانِ خلافت نے فوراً بعد ہی اپنے مقاصد میں ''حصولِ سوراج'' بھی داخل کرلیا، جو مذکورہ دو مقاصد کے حصول کا ذریعہ بھی تھا اور بجائے خود ایک مقصد عظیم بھی، دنیا گواہ ہے کہ تحریک ترکِ موالات کے علمبردار اور روح رواں کارکنانِ خلافت ہی تھے اور اقلیت میں ہونے کے باوجود ''تارکِ حوالات'' کی حیثیت سے جانی قربانیاں دینے والوں اور جیل جانے والوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ غالب رہی ہے۔'' (۳)

''محمد علی جوہر جمہوریت کے علمبردار ملوکیت اور شخصی حکومت سے سخت بیزار تھے۔ وہ جمہوریت کو اس حد تک پسند کرتے تھے کہ یہ نظریہ گویا ان کا عقیدہ بن گیا تھا۔ وہ کسی صورت میں بھی ملوکیت اور شخصی حکومت کو گوارا نہیں کرسکتے تھے ہمیشہ ملوکیت کے نقائص و مفاسد کو ظاہر کرتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ وہ بادشاہ، شاہ، نواب، راجہ، مہاراجہ وغیرہ الفاظ کو بھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔'' (۴)

مہاراجہ الور کی سالگرہ کا جشن منایا جارہا تھا، یہ مہاراجہ محمد علی کے مداحوں میں سے تھے، ہندوستان کے متعدد زعماء کو مدعو کیا گیا تھا۔ محمد علی کو بھی بلایا گیا تھا، اس موقع پر محمد علی جوہر نے تقریر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اس میں اپنے اور مہاراجہ کے تعلقات کا ذکر کیا، ساتھ ہی ملوکیت کے بارے میں بھی اپنے خیالات ظاہر کر دیئے۔ انہوں نے فرمایا:

''مہاراجہ الور میرے گہرے دوست ہیں اور میں ان کے اچھے اخلاق اور ان کی دماغی صلاحیتوں کا معترف ہوں، لیکن جہاں تک ملوکیت کا تعلق ہے وہ میرے حلقۂ تصور سے دور ہے۔''(۵)

اسی طرح وطن پروری اور وطن پرستی کے فرق کو محمد علی نے جس طرح سمجھا اور اس پر عمل کیا اس کا اظہار ان کی تقریر اور تحریر میں ہر جگہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ انڈین نیشنل یونین پر جس کی پنڈت موتی لال نہرو نے ۱۹۲۹ء میں بنیاد رکھنا چاہی تھی۔ محمد علی جوہر نے ان الفاظ میں تنقید کی:۔

''بے سوچے سمجھے کمال تعیم سے یہ کہہ دینا کہ ''کمیونزم'' یا ''ملیت'' ''نیشنلزم یا قومیت کے منافی ہے اس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کہ کوئی شخص قوم پروری کے جوش میں لوگوں کو اپنے خاندان کی پرورش اور ان کی تنظیم سے منع کرتا پھرے، قومیت کو منتہائے نظر بنانا یورپ کی تقلید جامد ہے اور ''وطنیت'' خود ''وثنیت'' یعنی بت پرستی ہے، اسلام وطن پرور ہے مگر وطن پرست نہیں۔''(۶)

وہ اپنے وطن کی غلامی کو ایک ثانیہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ان کی گول میز کانفرنس کی تقریر کا یہ ٹکڑا کہ:

''میں آج جس مقصد کے لئے یہاں آیا ہوں وہ یہی ہے کہ میں اپنے ملک کو اسی حالت میں واپس جاؤں جب آزادی کا پروانہ میرے ہاتھ میں ہو، میں ایک غلام ملک کو واپس نہیں جاؤں گا۔''(۷)

ان کے اسی جذبۂ حب الوطنی، وطن پروری اور ایک آزاد ہندوستان کی خواہش کا آئینہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کراچی میں ۸۔۹۔۱۰ جولائی ۱۹۲۱ء میں محمد علی جوہر کی زیر صدارت خلافت کانفرنس کا تاریخی اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں مولانا حسین احمد مدنیؒ، پیر غلام مجدد سندھی، ڈاکٹر سیف الدین، شوکت علی اور متعدد رہنماؤں نے شرکت کی۔ اسی زمانے میں حضرت محمود الحسن شیخ الہند مہاجر مکیؒ نے اپنا شہرۂ آفاق فتویٰ شائع کرایا تھا۔ جس میں حکومت انگریز سے ترکِ موالات کے لئے تلقین کی گئی تھی۔ اس فتوے پر برصغیر کے کم وبیش پانچ سو علمائے کرام کے دستخط تھے، جس کے ذریعے سے حکومت کے ساتھ معاملات کو حرام قرار دے دیا گیا تھا، سرکاری ملازمتیں ترک کرنے نیز خطابات واپس کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔ ان حالات میں جب کراچی کے اجلاس کی کارروائی کا آغاز ہوا تو مولانا حسین احمد مدنی نے ایک قرارداد پیش کی، جس میں مطالبہ کیا گیا کہ برطانوی حکومت کی فوج میں مسلمانوں کے لئے ملازمت کرنا شرعاً حرام ہے۔ اس لئے کوئی مسلمان فوج میں ملازمت نہ کرے اور مسلمان فوجیوں تک یہ ہدایت پہنچادی جائے۔ تاکہ وہ اپنی اپنی ملازمتوں سے مستعفی ہوجائیں، کیونکہ برطانوی افواج ترکیہ خلافت اور دوسرے مسلم ممالک کے خلاف جنگ کررہی ہے۔ مسلمانوں کو اپنے مسلمان ترک اور دوسرے بھائیوں کے خلاف برطانیہ کی مدد کے لئے جنگ کرنا جائز نہیں ہے، یہ اجلاس نہایت کامیابی سے اختتام پذیر ہوا، اس کے بعد ہی مولانا محمد علی اور ان کے بھائی شوکت علی کو گرفتار کرلیا گیا اور ان کے خلاف انگریز حکومت کی فوج میں بغاوت پھیلانے کے جرم میں مقدمہ قائم کیا گیا۔ کچھ عرصہ محمد علی جوہر اور ان کے بھائی شوکت علی بغیر مقدمہ کراچی کی سنٹرل جیل میں بند رہے، اس کے بعد انہیں بیجاپور جیل بھیج دیا گیا۔

اس مقدمے کی سماعت کراچی کے خالق دینا ہال میں شروع ہوئی۔ محمد علی جوہر نے فرنگی ججوں کے سامنے جو جوابی تقریر کی وہ نہایت مدلل اور قانونی حیثیت سے ایسی تھی کہ سرکاری وکیل اور سی۔آئی۔ڈی کے حکام تو کجا جیوری کے جج صاحبان بھی سرگریباں نظر آتے تھے کہ ان ملزموں کو مجرم کس طرح ثابت کریں اور کیونکر اسیر کریں۔ محمد علی کی جرأت وہمت اور عزیمت واستقامت کا سب سے زیادہ اظہار اس مقدمہ کے درمیان ہوا۔ یہ ایسا موقع تھا جس پر بڑے بڑوں کے قدم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈگمگا جاتے، کیونکہ اس وقت انہیں جس جرم میں پھانسا گیا تھا وہ ایسا سنگین جرم تھا جس کی سزا پھانسی یا کالا پانی ہوسکتا تھا۔ لیکن مولانا نے یہ سب نتائج و عواقب جانتے ہوئے حق و صداقت کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور کسی وقت بھی مصلحت کوشی کو کام میں لاکر انہوں نے غلط بیانی اور پست ہمتی کو اپنے عمل کی اساس نہیں بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر مولانا نے جس بلند حوصلگی، حق گوئی اور دلیری کا ثبوت دیا اس کی مثالیں دنیا کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں۔ مقدمہ کراچی مولانا کی زندگی کا وہ واقعہ ہے جس میں ان کی پوری آزمائش ہوگئی اور مخالفین بھی ایک مرتبہ ان کی ہمت، دینی حمیت وغیرت اور ملک وقوم کے لئے جاں فروشی کے جذبہ کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے، تمام مقدمے کی کارروائی کے بعد محمد علی نے ایک بیان دیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

''اسلام میں صرف ایک ہی بادشاہیت تسلیم کی گئی ہے، اور وہ خدائے تعالیٰ کی بادشاہت ہے، جو غیر مشروط اور غیر منقسم اور غیر منتقل ہے، اگر ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس حکومت سے تصفیہ کرنے کے لئے ذرا بھی موثر قوت ہوتی تو احکام اسلامی کی رو سے حکومت کے خلاف اعلانِ جہاد کر دینے پر مجبور ہوتے اور موجودہ قضیہ کا تصفیہ خالق دینا ہال کے بجائے کسی اور جگہ ہو رہا ہوتا، اگر ایسی قوت نہ ہو جو ایک قابل افسوس امر ہے تو (مسلمانوں کو) ہجرت کرنی چاہئے۔ جہاں ان کو مذہبی عقائد کی بناء پر کوئی سرکار ستانے اور پریشان کرنے والا نہ ہو۔'' (۸)

اس کارروائی اور اس بیان کے بعد عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ محمد علی جوہر کو دفعہ ۵۵ تعزیرات ہند کے تحت دو برس قید با مشقت کی سزا سنادی گئی، ان کے ساتھ دیگر ملزمان کو بھی دو دو برس قید کا حکم سنادیا گیا اور سب جیل بھیج دیئے گئے، محمد علی اور ان کے رفقاء کے جیل جاتے ہی سب کی زبان پر یہ ترانہ جاری ہوگیا:

کہہ رہے ہیں کراچی کے قیدی ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی نظمیں لکھی گئیں اور لوگوں کے ورد زبان رہیں، لیکن سب سے زیادہ مقبول یہ نظم ہوئی:

بولیں اماں محمد علی کی جان بیٹا خلافت پہ دیدو
ساتھ تیرے شوکت علی بھی جان بیٹا خلافت پہ دیدو
بوڑھی اماں کا کچھ غم نہ کرنا کلمہ پڑھ کر خلافت پہ مرنا
پورے اس امتحاں میں اترنا جان بیٹا خلافت پہ دیدو
ہوتے میرے اگر سات بیٹے کرتی سب کو خلافت پہ صدقے
ہیں یہی دین احمد کے رستے جان بیٹا خلافت پہ دیدو
حشر میں حشر برپا کروں گی پیش حق تم کو لے کر چلوں گی
اس حکومت پہ دعویٰ کرونگی جان بیٹا خلافت پہ دیدو

مولانا محمد علی اور ان کے رفقاء کی گرفتاری کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ ان کی چلائی ہوئی تحریک دبنے کے بجائے اور تیزی سے ابھری، جس ریزولیوشن پر محمد علی کو گرفتار کیا گیا تھا اس کو قوم نے ہر طرح سے متعدد بار دہرایا، اور حکومت کو دعوت دی کہ علی برادران کو جس جرم میں گرفتار کیا گیا وہی جرم ہم اور پوری قوم کر رہی ہے، لہٰذا ہمیں اور قوم کے تمام افراد کو بھی گرفتار کیا جائے۔ اس قید کے دوران دونوں بھائیوں پر بڑی سختیاں کی گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کی صحت متاثر ہوئی، محمد علی جوہر کی زندہ دلی بڑی حد تک ان عوارض کا مداوا کرتی رہی اور کسی نہ کسی طرح انہوں نے قید کی یہ مدت پوری کی۔

اس عرصے میں ان کی شاعری نے کافی فروغ پایا انہوں نے متعدد غزلیں کہیں۔ محمد علی جوہر دلیر سپاہی تھا قوم و وطن کی خاطر آخری سانس تک میدان جنگ میں لڑتے لڑتے شہید ہوا۔ تاریخ صحافت میں ان کا تذکرہ زریں حروف سے لکھا گیا۔ دنیائے سیاست ان کے نام پر سدا فخر کرے گی۔ آئندہ نسلیں اس بہادر جرنیل کی شاندار اور دلیرانہ موت پر قیامت تک مدحت سرائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور تقلید کریں گی۔ ملت کی مائیں اپنے بچوں کو اس کی زندگی کے عظیم کارنامے سنا کر عزم و استقلال کا سبق پڑھائیں گی۔

میر محفوظ علی بدایونی نے ایک مضمون میں محمد علی جوہر کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> ''مولانا محمد علیؒ عجیب خوش نصیب شخص تھے جنہیں جینا بھی خوب آتا تھا اور مرنا بھی خوب آیا، جو عملاً دکھا گئے کہ زندگی چاہے شروع اپنے ذاتی عیش ہی کے خیال سے کی جائے مگر ختم دوسروں کے آرام کی خاطر ہونی چاہیے۔ جن کی قسمت میں ایک سچے خدا پرست مسلمان کی زندگی لکھی تھی اور ایک مجاہد کی موت جو اللہ کے عاشق تھے۔''(۹)

محمد علی جوہر کے اندر ارادے کی مضبوطی اور رائے کے استقلال کا یہ عالم تھا کہ جو بات غور و فکر کے بعد اپنے نزدیک صحیح سمجھ کر طے کر لی، پھر اس سے تجاویز کرنا بعید از امکان تھا اس کی ایک مثال تو کامریڈ و ہمدرد کا اجراء ہے کہ کوڑی پاس نہیں مگر اتنے بڑے کام کو شروع کر دیا۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> ''محمد علی کی زندگی کے مختلف نشیب و فراز تھے۔ کس کی زندگی میں نہیں ہوتے لیکن ان کی موت نے ہر نشیب کو فراز اور ہر راز کو پر شوکت بنا دیا۔ محمد علی کو بد توفیقوں اور بد مذاقوں سے سابقہ پڑا اسے بد توفیق اور بد مذاق جو بھوکے تھے بوالہوس اور اکثر کینہ پرور بھی محمد علی نے ان سب سے انتقام بھی لیا، لیکن اپنی زندگی میں نہیں بلکہ اپنی موت سے۔''

مولانا محمد علی جوہر تحریر و تقریر میں ایک بے مثال حیثیت کے مالک تھے، اردو انگریزی اور فارسی زبانوں پر انہیں حیرت انگیز قدرت حاصل تھی۔ صحافت، تاریخ، سیاست اور ہر علمی ادبی شعبہ میں بے عدیل و بے نظیر تسلیم کیے جاتے تھے، مولانا کی ہمہ دانی قابل رشک و لائق فخر تھی۔ مولانا بذلہ سنجی اور برجستہ گوئی میں بھی کمال رکھتے تھے، حالانکہ شدید علالتوں اور سیاسی و صحافتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصروفیات کی الجھنوں کے علاوہ معاشی افکار میں بھی مبتلا تھے۔ اس کے باوجود طالب علمانہ زندگی کے زمانہ سے لے کر آخر دم تک حتیٰ کہ گول میز کانفرنس کی انقلاب انگیز تقاریر میں بھی ان کی شگفتہ بیانی اور لطیفہ گوئی جاری رہی۔

مشہور انگریز مورخ ایچ۔ جی۔ ویلز نے کہا:

محمد علی جوہر ''میکالے کا قلم'' ''برک'' کی زبان اور نپولین کا دل رکھتے تھے۔''

مولانا جوہرؒ وہ بے مثل یگانۂ روزگار شخصیت کے حامل تھے، جو علم و عمل میں اعلیٰ کمالات اور حسن اخلاق و عادات میں بے نظیر ہونے کے ساتھ ہمہ صفت موصوف دین و وطن اور ملت کے لئے اپنی حیات عزیز کا ایک ایک لمحہ وقف کئے رہے۔ انہوں نے سن شعور کو پہنچ کر برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی آزادی کے حصول، فلاح و بہبود اور تمام دنیائے اسلام کی سربلندی کے لئے ہر ممکن طریقہ سے کارہائے عظیم انجام دیئے۔

دنیا بھر کے مسلمانوں کا درد ان کے دل میں تھا۔ سیاست میں ان کا لوہا سب نے مانا، موتی لال نہرو اور جواہر لال نہرو معترف تھے کہ انہوں نے سیاست مولانا محمد علی سے سیکھی۔ گاندھی جی مدت تک کہا کرتے تھے کہ ''میں تو مولانا محمد علی کی جیب میں ہوں'' مولانا کی گرج سے حکومت برطانیہ کے ایوانوں میں زلزلے آتے تھے۔

مختصر یہ کہ مولانا محمد علی جوہر کی زندگی ایک مخلص، وفاکش، جانباز، زعیم ملت کی زندگی تھی، اور ان کی وفات ایک متقی مردِ مومن، مجاہد اسلام اور شہید کے انداز میں ہوئی کہ انہوں نے مسلمانانِ برصغیر کے حقوق اور ملک کی آزادی کے حصول کی خاطر اغیار سے سیاسی جنگ لڑتے ہوئے پائی جان عزیز فدا کی اور اللہ جل شانہ نے مرحوم کو سرزمین قدس میں آخری آرام گاہ کے لئے جگہ عطا فرمائی۔

بقول علامہ اقبال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خاک قدس اور ابد آغوش تمنا ور گرفت

حواشی وحوالہ جات

۱۔ مضمون ''محمد علی کی یاد میں'' از میر محفوظ علی بدایونی، حیات جوہر عشرت رحمانی، مقبول، اکیڈمی لاہور، ص ۳۸۴

۲۔ جوہر اسپیشل سیریز، علی برادران، مرتبہ: سید رئیس احمد جعفری، کاروانِ آزادی کا کوچ، محمد علی اکیڈمی، لاہور، ص ۵۷۴

۳۔ مولانا محمد علی جوہر، حیات اور تعلیمی نظریات مولف: ثناالحق صدیقی، ایجوکیشنل پریس کراچی، ص ۱۶۲

۴۔ علی برادران جوہر اسپیشل سیریز، مرتبہ: رئیس احمد جعفری، محمد علی اکیڈمی، لاہور، ص ۵۷۶

۵۔ محمد علی جوہر حیات اور تعلیمی نظریات، مولف: ثناالحق صدیقی، ایجوکیشنل پریس کراچی، ص ۱۶۳

۶۔ محمد علی جوہر حیات اور تعلیمی نظریات، مولف: ثناالحق صدیقی، یجوکیشنل پریس کراچی، ص ۱۶۰

۷۔ محمد علی جوہر حیات اور تعلیمی نظریات، مولف: ثناالحق صدیقی، یجوکیشنل پریس کراچی، ص ۱۶۱

۸۔ محمد علی جوہر حیات اور تعلیمی نظریات، مولف: ثناالحق صدیقی، یجوکیشنل پریس کراچی، ص ۹۱

۹۔ حیاتِ جوہر: عشرت رحمانی، مقبول اکیڈمی لاہور، ص ۳۸۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آؤ قلم کو ہاتھ میں لو

ملاؤ ہاتھ سبھی صلح و آشتی کے لئے
پڑھے لکھے ہو تو آؤ قلم کو ہاتھ میں لو

نکل نہ جائے کہیں وقت ہاتھ سے بے دام
کرو نہ دیر سفیر حرم کو ہاتھ میں لو

تمہارے ہاتھ قلم ہو گئے تو کیا ہوگا
ہے اب بھی وقت رہ محتشم کو ہاتھ میں لو

پکڑ لو ایسا راستہ فلاح مل جائے
تم اپنے پاؤں سے نقش قدم کو ہاتھ میں لو

پکڑ لو ایسا راستہ فلاح مل جائے
تم اپنے پاؤں سے نقش قدم کو ہاتھ میں لو

بچاؤ راہزن وقت سے کتاب حیات
حدیث پاک شفیع الامم کو ہاتھ میں لو

خدا کے واسطے اپنے قلم کو ہاتھ میں لو

جہاد اور دہشت گردی کا فرق
سیرتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں

مصنّف

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

(زیر طبع)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ کا بانکا محمد علی جوہرؒ

پروفیسر ڈاکٹر انعام الحق کوثر

کوئٹہ

نوٹ: یہ مقالہ صرف ریکارڈ کے لئے شائع کیا جا رہا ہے، اسے تحقیقی آرٹیکل کی حیثیت سے نہیں پیش کیا جا رہا ہے، بلکہ یہ تاریخ پاکستان کی عظیم شخصیت کے علمی تبرکات ہیں۔

اللہ کے بانکے اور نرالے رنگ والے محمد علی جوہر نے خود ہی کہا تھا

اللہ کے باکوں کا بھی ہے رنگ نرالا
اس سادگی پہ سرخی خونِ شہدا دیکھ

وہ بلاشبہ حقیقی معنوں میں مردِ مومن تھے۔ وہ نہ صرف برصغیر پاک و ہند کے مردِ مجاہد تھے، بلکہ علامہ اقبال کے الفاظ میں ایشیا اُن کے جلوہ سے ہمیشہ معمور رہے گا۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

جلوۂ اوتا ابد باقی بہ چشم آسیاست
گرچہ آں نورِ نگاہِ خاور از خاور گزشت

محفل کیسی ہی کیوں نہ ہو، سامعین کس ڈھب کے ہوں اور ماحول کیسا تھ بھی ہو، محمد علی جوہر خاموش نہیں رہتے تھے۔ اُن کی طبع اتنی رواں، شوخ اور شگفتہ تھی کہ وہ ہر تقریر میں نئے نئے نکتے بیان کرتے تھے۔ وہ جاہ و جلال سے مرعوب ہونا نہ جانتے تھے۔ وہ بلا خوف و خطر حقیقت اور صداقت پر مبنی باتوں کو پیش کرتے تھے۔ وہ گھبرانے خوف زدہ ہونے اور لبوں پر مہر سکوت ثبت کرنے کے عادی نہ تھے۔ وہ پاکیزہ ذوق کے مالک آرٹ اور فنونِ لطیفہ کے قدردان ہونے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ ساتھ سخت سے سخت حالات میں بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ خود کہتے ہیں۔

امتحان سخت سہی پر دل مومن ہے وہ کیا
جو ہر اک حال میں اُمید سے معمور نہیں

وہ بچوں، جوانوں، عورتوں اور بوڑھوں تک کو اپنا ہمنوا بناتے، ملک کے کونے کونے کا دورہ کرتے، جہاں پہنچتے کالجوں، اسکولوں اور یونیورسٹیوں میں تالے لگ جاتے۔ طلباء قوم کے رضا کار بنتے۔ عدالتوں کا کام ٹھپ ہو جاتا۔ لاکھوں میں کھیلنے والے وکیل اور بیرسٹر قوم کے سپاہی بن جاتے۔ نہ فیس کی حاجت ہوتی اور نہ ہی علم کی دوکان چمکتی۔ صرف ایک حریت کے جذبے کے تحت لوگ رواں دواں ہوتے۔

اسی ماحول میں مولانا محمد علی جوہر نے مختلف مقامات پر قوم کو جس انداز میں خطاب فرمایا اور مختلف امور پر روشنی ڈالی۔ اُن میں سے چند ایک کے بارے میں اُن کی کہی ہوئی باتیں اُن کی زبان سے ملاحظہ فرمایئے۔ خدا کی وحدانیت پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر تم یہ چاہتے ہو کہ کوئی تم پر حکومت نہ کر سکے، تو پہلے خدا کی وفادار رعایا بنو، تمہارا بادشاہ بھی تمہاری طرح خدا کی رعایا کا ایک فرد ہے۔ تم اُس سے کہہ سکتے ہو کہ ہم تم ایک خدا کے بندے ہیں، مراتب بے شک جدا جدا ہیں، مگر عبدیت الٰہی کا جہاں تک تعلق ہے ہم میں اور تم میں کوئی فرق نہیں ہے۔''

''میں تھیوکریسی (مذہبی حکومت) پر اعتقاد رکھتا ہوں۔ میرا بادشاہ کون ہے؟ سب سے پہلے میرا بادشاہ خدا ہے اور خدا نے مجھے ویسا ہی آزاد پیدا کیا ہے جیسا کہ جارج پنجم کو''

''یہ خیر مقدم محمد علی شوکت علی کا نہیں ہے، علی برادران کا خیر مقدم کچھ نہیں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خدا کا خیر مقدم کرو، جو اپنے احکامات اپنے بندوں کے ذریعہ سنوار رہا ہے، یہ ہار پھول سب بے کار ہیں۔ کیونکہ خدا دل کو دیکھتا ہے۔ اگر حکومت یا کسی دوسری قوم کی ضد سے یاد کھاوے کو ایسا کیا جاتا ہے تو وہ قبول نہیں ہے، ہم اس کے دوست ہیں، جو خدا کا دوست ہے، ہم اُس کے دشمن ہیں جو خدا کا دشمن ہے، ہم تو اللہ کے ہو لئے۔

رشتہ درگر دنم افگندہ دوست می بروہر جا کہ خاطر خواہ اوست

انہی خیالات کو منظوم صورت میں یوں نبھاتے ہیں۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے
کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے
تجھے تسکین دل پایا تجھے آرام جاں پایا نہاں بھی ہے تو کیا، تجھ کو جہاں ڈھونڈا وہاں پایا
ترا وہ مبتلا ناکام سمجھا جس کو دنیا نے اُسی کو سرخرو دیکھا، اسی کو کامراں پایا

خدا کی وحدانیت کیسے پھیلتی ہے، مولانا محمد علی جوہر کی زبان سے سنئے:

''خدا کی وحدانیت پھیلانے کے صرف دو ہی ذریعے ہیں، قلم یا تلوار، تلوار ہم سے چھین لی گئی۔ مگر الحمدللہ کہ قلم پر آپ لوگ قابض ہیں، آج کل قلم پر قبضہ تلوار کے قبضہ سے زیادہ پراثر اور نہایت اہم ہے۔ جو لوگ تلوار کے مالک ہیں، وہ بھی اہل قلم کی طاقت اور تلوار کا لوہا مانتے ہیں، آپ کے قلم کا لوہا تلوار کے لوہے سے زیادہ سخت اور آپ کے قلم کی روانی تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے، اور آپ کے قلم کا زخم تلوار کے زخم سے زیادہ تکلیف دہ ہے۔''

''پس اپنا قدم آگے بڑھایئے، قلم پر قط رکھئے اور خدا کی وحدانیت صفحۂ دہر پر لکھ ڈالئے، خدا کی رحمت اور تائید آپ کے ساتھ ہو۔ آمین''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا محمد علی جوہر اپنی تقاریر اور خطبات میں حضور پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے حوالے دیا کرتے تھے۔ جیسے ایمان کی سلامتی کی دعا مانگتے ہوئے کہتے ہیں ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''کہ ایمان یہ ہے کہ ہاتھ سے عمل کرو، زبان سے کوشش کرو، اگر یہ نہیں کر سکتے تو کم از کم دل سے اقرار کرو، کہ یہ اقل ترین ایمان کا درجہ ہے''

دوسری جگہ کہتے ہیں: خدا کے برگزیدہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ:

اخرجوا الیہود والنصاری من جزیرۃ العرب

''یہود اور عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے نکال باہر کرو۔''

''اس حکم کی تعمیل ہم پر فرض ہے وہ بیت المقدس جسے مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر فتح کیا تھا اور جس پر اب تک خلیفۃ المسلمین (سلطان ترکی) کا اقتدار تھا ہم اس پر اغیار کا قبضہ ہرگز نہیں رہنے دیں گے۔''

وہ اپنے فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا اظہار اس طرح بھی کرتے ہیں۔

دشتِ رہِ غریب میں اکیلا تو نہیں تو بطحی کے مہاجر کا تو نقش کف پا دیکھ

نہیں معلوم کیا ہو حشر جوہر کا پر اتنا ہے کہ ہاں نام محمد مرتے دم وردِ زباں پایا

جب رسوائے زمانہ کتاب راجپال چھپی تو مولانا محمد علی جوہر بے تاب اور کبیدہ خاطر ہوئے، ایسی لغویات کے سدباب کے لئے آئینی، قانونی اور قابل عمل کوششیں کیں۔ مگر اس واقعہ سے ان کے دل و دماغ بہت زیادہ اثر پذیر ہوئے۔ چنانچہ ایک موقع پر اپنے تاثرات کا اس طرح اظہار کیا۔

''جہاں تک خود میرا تعلق ہے مجھے نہ قانون کی ضرورت ہے نہ عدالتوں کی حاجت، اگر کوئی ہندوستانی بھائی اس قدر شقی القلب ہے، کہ مجھ سے تو ایک معمولی جانور کا تقدس منوا کر اس سے متمتع ہونے کے حق سے میری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دست برداری کا طالب ہے، لیکن انسان جو اشرف المخلوقات ہیں، ان میں سے سب سے اشرف نبی سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم باعث تکوین دو عالم کا تقدس میرے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اس کا اتنا بھی پاس نہیں کرتا کہ اس برگزیدہ ہستی کی توہین کرکے میرے قلب کو چور چور کرنے سے احتراز کرے، تو ہندوستان کو غلامی سے نکالنے کے لئے جس میں وہ آج مبتلا ہے اور جو گاؤ پرست ہندوؤں کے وجود سے کہیں زیادہ ہمارے مذہب ملت کی بے حرمتی کا سبب ہے، مجھ سے جہاں تک صبر ہو سکے گا، صبر کروں گا، اور جب صبر کا جام لبریز ہو جائے گا تو یا تو اس گندہ دل، گندہ دماغ، گندہ ذہن کافر کی جان خود لے لوں گا، یا اپنی جان اس کوشش میں خود کھودوں گا۔"

عبادت کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں۔

"ماہِ رمضان کے تیس روزے رکھ لینے یا بقرعید پر قربانی کر دینے سے ہماری ذمہ داریاں ختم نہیں ہو جاتیں۔ عبادت کا اصل مفہوم عبدیت کا سبق حاصل کرنا ہے۔ اس سے یہ فائدہ مرتب ہونا چاہئے کہ یہ حقیقت ہمارے ذہن نشین ہو جائے کہ ہم خدا کے غلام ہیں اور اس کے سوا ہم کسی کی غلامی (بہ رضا و رغبت) نہیں اختیار کر سکتے"

عبادت سے مقصود خدا تعالیٰ کی غلامی ہے، اور سچے معنی میں خدا کی غلامی یہ ہے کہ صبح و شام اُٹھتے بیٹھتے اس کے کام کرو روزہ اور نماز اجزائے عبادت ہیں، اصل عبادات یہ ہے کہ جو کچھ بھی کرو خدا کے لئے کرو، ورنہ شرکِ خفی عائد ہوتا ہے۔ اسلام دنیا کو بھی سمجھانے آیا ہے، یہ فرض خلافت کی صورت میں پہلے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ پھر اس نے صلحاء کو بھیجا، کہ وہ خدا کی ایجنسی اور وائسرائلٹی ہے، تاکہ خدا تعالیٰ کی عبادت رائج ہو، اور غیر اللہ کی غلامی سے نجات ملے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور خدا کی مرضی میں ہر چیز گم ہو جائے۔

مولانا محمد علی جوہر مذہبی رنگ میں ایسے رنگے ہوئے تھے، کہ انہیں جہاں بھی موقع ملتا، وہ اظہار خیال سے نہ چوکتے تھے، گول میز کانفرنس میں انہوں نے اپنی معروف اور تاریخی تقریر میں ایک مقام پر کہا تھا:

''دنیا کی مذہبی جنگیں اور صلیبی لڑائیاں اس قدر تباہی خیز اور ہولناک نہ تھیں۔ جیسی آپ کی گزشتہ جنگ عظیم، اور یاد رکھیئے کہ وہ آپ کی قوم پرستی کی جنگ تھی، میرے جہاد کی جنگ نہ تھی۔''

اللہ تعالیٰ کے گھر کی حفاظت کے سلسلے میں آپ نے یہ مشورہ دیا تھا کہ اگر ہم کعبہ کی حرمت ضروری سمجھتے ہیں تو ہمیں موت سے باک نہ ہونا چاہئے اور مصلحتوں کا لحاظ نہ کرنا چاہئے۔

کیا دھرا ہے عقل میں جز حیرت و سرگشتگی
پھر سے ہوں پابند اس کا میں وہ دیوانہ نہیں

دوسری جگہ کہا تھا:

''اس کی حرمت ہماری ماؤں، بیویوں اور بہنوں سے کہیں زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ کے گھر کی حفاظت کے جرم میں اگر ہمیں قید کر لیا گیا تو کوئی حرج نہیں''

تحفظ خلافت کے بارے میں آپ نے فرمایا:

''مسئلہ تحفظ خلافت رومن کیتھولک کے پوپ جیسا نہیں ہے، کہ چند میل کے باہر اس کی حکومت بالکل نہیں ہے۔ وہ جو کچھ کر سکتا ہے صرف ان چند میلوں کے اندر جہاں اس کی ''حکومت'' قائم ہے۔ خلافت نہ کوئی حکومت ہے نہ کوئی بطریق جیسا راجہ ہے، بلکہ خلافت کا سلسلہ برابر جاری ہے، آج بھی مسلمان اس کو اسی طرح تسلیم کرتے ہیں، جس طرح ۱۳ سو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سال قبل تسلیم کرتے تھے۔ ان کے لئے حکم ہے کہ تمہارے اور تمہارے اولی الامر میں تنازع ہو۔ تو وہی کرو، جو خدا کا حکم ہے۔ اب بھی ہر شخص کے لئے وہی حکم ہے اور وہ اس پر عمل کرنے پر مجبور ہے۔"

مولانا محمد علی جوہر وطنیت اور قومیت کے یورپی مفہوم کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے، چنانچہ انہوں نے گول میز کانفرنس میں بلا جھجک فرمایا:

"میں کہتا ہوں کہ خدا نے انسان کو بنایا اور شیطان نے قوموں کو، قومیت، وطنیت، انسانوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتی ہے، لیکن مذہب انسانوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کرتا ہے"۔

وہ دل و جان سے احیائے خلافت راشدہ کے خواہاں تھے، مفتی فلسطین امین الحسینی نے انکشاف کیا تھا کہ وہ ایک دفعہ مسجد حرام کے اندر خانہ کعبہ کے پاس سے گزرے، تو دیکھا کہ رات کی تاریکی میں ایک شخص خانہ کعبہ میں صاحب خانہ سے مصروف راز و نیاز ہے، آواز بیٹھی ہوئی، گریہ گلوگیر، گردن سجدہ میں جھکی ہوئی۔ گڑگڑا کر، رو رو کر عرض کر رہا ہے۔ کہ اے کارسازِ عالم تو مجھے تو جہنم میں جھونک دے، میری کسی آرزو کو پورا نہ کر، لیکن ایک بار ان آنکھوں کے سامنے احیائے خلافت راشدہ کر کے وہ مبارک و مسعود زمانہ پھر واپس لا دے، جس کو کانوں نے سنا ہے۔ مگر آنکھیں جس کی دید سے اب تک محروم ہیں"

جب اس شخص نے پانی پیشانی سجدے سے اٹھائی تو مفتی فلسطین نے دیکھا کہ وہ اللہ کا بانکا محمد علی جوہر ہے، جس کا نورانی چہرہ آنسوؤں سے تر ہے۔

۱۹۲۸ء میں جب آپ یورپ علاج کے لئے تشریف لے گئے تو کچھ دنوں کے لئے انگلینڈ بھی گئے تھے وہاں ایک مرتبہ پارلیمان کی مہمانوں کے لئے مخصوص گیلری میں بیٹھے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کارروائی ملاحظہ کررہے تھے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہوگیا، گیلری کے ایک گوشے میں اپنی عبا بچھائی اور اللہ کے حضور جھک گئے، حاضرین مجلس انگشت بدنداں رہ گئے، لنڈن کے ایک اخبار نے اس واقعہ کو شائع کیا کہ آج ایک آدمی سے ''یہ حرکت'' سرزد ہوئی۔

محمد علی جوہر برصغیر میں بھی مختلف مجالس میں اسی ''حرکت'' کے مرتکب ہوا کرتے تھے وہ اس سلسلے میں دوسروں کے ''اشاروں'' اور ''کنایوں'' کو درخورِ اعتنا نہ سمجھتے تھے، خود فرما گئے۔

جس نے دنیا کو نامراد کہا وہی ناکام کام کرتا ہے
آج کرلو جو کرسکو کل تک کون جیتا ہے کون مرتا ہے
قلزم عشق میں جو گرا سو گرا اس کا ڈوبا کہیں ابھرتا ہے
وہی دن ہے ہمارے عید کا دن جو تری یاد میں گزرتا ہے

اللہ کا یہ بانکا متعدد بیماریوں میں مبتلا ہونے کے باوجود گول میز کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے لندن پہنچا وہیں فرمایا:

> ''میں کہتا ہوں کہ جس آدمی کے حواس بجا ہیں وہ ان بیماریوں کے ساتھ ۷ میل کا سفر بھی نہیں طے کرسکتا۔ لیکن پھر بھی میں خشکی اور سمندر کے سات ہزار میل کا سفر طے کرکے یہاں تک پہنچ گیا ہوں۔ کیونکہ جہاں ہندوستان اور مسلمان کا معاملہ آجاتا ہے، وہاں میری حالت دیوانوں کی سی ہو جاتی ہے۔''

اللہ کے حضور ''نقد جاں'' پیش کرنے سے پیشتر جس کے بارے میں خود گویا ہوئے تھے

نقد جاں نذر کرو سوچتے کیا ہو جوہر کام کرنے کا یہی ہے تمہیں کرنا یہی ہے

وہ رات بھر مصروف کار رہے، اور ہندو مسلم تعلقات پر جو انہوں نے ایک مفصل اسکیم تیار کی تھی، اس کا مسودہ ٹھیک کراتے رہے۔

عقل کو ہم نے کیا نذر جنوں عمر بھر میں یہی دانائی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور

سنتے ہی جس کے خلق میں کہرام مچ گیا جوہر وہ تیری ہی تو کہیں داستان نہ ہو

اسلام کا یہ مایہ ناز سپوت ان گنت لوگوں کی خواہشات کے باوجود نہ تو رامپور، لکھنو اجمیر، کلکتہ، علی گڑھ اور دلی کی سرزمین میں دفن ہوا۔ بلکہ بیت المقدس کی مسجد عمر نے اپنا سینہ چاک کیا اور اللہ کا بانکا اس میں سما گیا، ان کے اپنے الفاظ میں:

رہرو تھا راہِ عشق کا منزل کو پالیا
اب اور کیا نشان مری لوحِ مزار دے

ہے رشک ایک خلق کو جوہر کی موت پر
یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

حوالہ جات:

ابوسلمان شاہجہاں پوری، پروفیسر ڈاکٹر انصار زاہد، پروفیسر فصیح الدین صدیقی، رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہرؒ (سوانح و خدمات)

مجلہ علم و آگہی، گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی برائے ۷۹-۱۹۷۸ء، ص ۷ تا ۲۸۷

مکالمہ و اتحاد المذاہب کی مذہبی بنیادیں
سیرت طیبہ ﷺ، اسوۂ انبیاء علیہم السلام اور
کتب مقدسہ کے تناظر میں
مصنف:
پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی
مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصولِ سیرت نگاری

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

اسوہ حسنہ اور مروجہ میلاد محفلیں

خراج عقیدت ادا کرنے والوں خراج عقیدت سے کیا کام ہوگا
یہی ہے زبانی محبت کا عالم تو دین ہدیٰ اور بدنام ہوگا
اگر سن سکوتو روح محمد ﷺ خراج اطاعت کی طالب ہے تم سے
یہی ہے جو قول و عمل کی دورنگی بہت درد انگیز انجام ہوگا
فقط خوش بیانی کے جوہر دکھا کر کوئی قوم دنیا میں ابھری نہیں ہے
عمل چھوڑ کر صرف باتیں بنا کر کوئی قوم دنیا میں ابھری نہیں ہے
اٹھو مومنو! آج سے عہد کرلو، حبیب خدا ﷺ کی اطاعت کرو گے
عقیدت کے پہلو بہ پہلو عمل سے حقیقت میں تعمیل سنت کرو گے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بی اماںؒ جرأت کا نشاں

ڈاکٹر مسز بشریٰ بیگ
معروف مصنفہ وریسرچ اسکالر

Dr. Ms Bushra Baig

ABSTRACT:

Mulana Muhammad Ali Juahar's mother was famous by the name of Biamma. When Mulana Muhammad Ali Juahar and his elder brother were arrested, after that Biamma participated in the Khelaphat movment, she practically involved in Tahreek-e-Khelafat. When she felt that her sons acceptance of terms of their freedom was not acceptable by Islam or our country, so she said to her sons I will kill you. During the movement, she delivered speeches against the English Government. Her speeches are very famous in the political leadership. In the death of Biamma all important leaders and news papers published massages of condolence. Biamma's qualities are symbol of following for today's women.

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب دونوں بھائی جیل میں تھے ۷ ستمبر ۱۹۱۷ء کو ڈی۔ ایس۔ پی عبدالمجید علی برادران سے ایک معاہدہ پر دستخط لینے چھنڈاواڑہ جھیل پہنچے ہوئے تھے۔ بی اماں کو جیسے ہی خبر ملی وہ فوراً نقاب ڈال کر اس کمرہ میں پہنچ گئیں جہاں عبدالمجید بیٹھے تھے اور چلا چلا کر کہنے لگیں:

میں چاہتی ہوں کہ گورنمنٹ جان لے کہ اپنی تکالیف سے بچنے کے لئے وہ (علی برادران) کسی ایسی بات کا اقرار کرلیں گے، جو ان کے مذہبی احکام یا ملکی فوائد کے ذرا بھی خلاف ہو تو مجھے یقین ہے کہ اللہ پاک میرے قلب کو اتنی مضبوطی اور ان سوکھے جھریاں پڑے ہاتھوں میں اتنی طاقت دے گا کہ میں اسی وقت ان دونوں کا گلا گھونٹ دوں گی۔ گو یہ مجھے عزیز ہیں اور رحیم شحیم دکھائی دیتے ہیں۔ (۱)

علی برادران ایسی باکردار، محبّ وطن عظیم ماں کی آغوش میں پروان چڑھے۔ ہمیں تعجب ہوتا اگر مولانا کا حب وطن اور کردار اس کے علاوہ اور کچھ ہوتا۔ مولانا مزید تحریر کرتے ہیں:

والد مرحوم کی وفات کے دن سے خود گھر کی بوڑھی ماؤں کا سا سادہ اور ستا لباس پہنا اور انہیں کی طرح روکھی سوکھی کھا کر گزاری مگر ہمارا کوئی سوال رد نہیں کیا ہمیں اس عیش و آرام میں رکھا، پالا اور بڑا کیا جو ہمارے ان چچاؤں کی اولاد کے عیش و آرام سے کسی طرح کم نہ تھا مگر کچھ زائد ہی تھا، جو بفضلہٖ تعالیٰ والد مرحوم کی وفات کے وقت زندہ اور سلامت تھے جن کی جائدادوں پر قرضے کا وہ بوجھ نہ تھا جو ہمارے ترکے پر تھا اور جو ریاست رامپور میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز تھے۔ ان سب سے پہلے ہمیں کو گھر سے نکال کر بریلی اسکول میں تعلیم کے لئے والدہ مرحومہ نے بھیجا اور وہ سب تو سکول چھوڑ چھوڑ کر گھر چلے گئے مگر ہماری تعلیم جاری رہی اور شوکت صاحب جس طرح ریاست رامپور کے باشندوں میں سے غالباً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب سے پہلے کسی ہندوستانی یونیورسٹی کے گریجوٹ ہوئے اسی طرح ان میں سب سے پہلے آکسفورڈ کا گریجویٹ میں ہوا۔ میرے سب سے بڑے چچا جو ہماری جائداد کا انتظام فرمایا کرتے تھے اور ریاست میں ایک بہت بڑے عہدے پر ممتاز تھے اس وقت زندہ تھے۔ جب میں ان کے سب سے چھوٹے مرحوم بھائی کا سب سے چھوٹا لڑکا اور ایک بیوہ کا پرورش کردہ اسی ریاست میں ان سے بھی بڑے عہدے پر مقرر کیا گیا تو انہوں نے اس عزاز پر مجھے گلے لگا لیا اور پیار کر لیا۔

ریاست ہائے رام پور اور بڑودہ میں اچھے خاصے عہدوں پر ملازمت کرنے اور جو جو خدمتیں تفویض ہوتی رہیں انہیں نیک نامی کے ساتھ بجالانے چند اور ریاستوں میں ان سے بھی اعلیٰ عہدوں کے دیئے جانے مگر بہ مجبوری قبول نہ کر سکنے کے بعد میں نے دنیائے صحافت میں قدم رکھا اور ملک وملت کی خدمت کے لئے اس شعبۂ زندگی میں داخل ہوا۔ آج یہ کہنا مشکل ہے کہ ان خدمات کی انجام دہی میں نیک نامی حاصل کی یا بدنامی لیکن غالباً یہ تو آج بھی نہ کہا جائے گا کہ گم نام رہا۔ مسلمانوں کی سب سے پہلی نمائندہ سیاسی انجمن یعنی مسلم لیگ کی ۱۹۰۶ء میں بنیاد ڈالی اور ۱۹۱۷ء میں صدر منتخب ہوا۔ گو قید فرنگ کی بدولت کرسی صدارت پر میری تصویر ''جلوہ افروز'' ہوئی۔ اس عزت افزائی کے باعث اپنی ملت کا آج تک مشکور ہوں۔ مگر میری نظر میں جو اس کی حقیقت تھی وہ اس زمانے کے اس شعر سے واضح ہوتی تھی۔ (۲)

یہ صدر نشینی ہو مبارک تمہیں جوہر ☆ لیکن صلہ روز جزا اور ہی کچھ ہے

مولانا محمد علی جوہر اپنی زندگی کے پچاس سال کے بارے میں اپنے اخبار ''ہمدرد'' میں تحریر کرتے ہیں:

جس خالق نے مجھے ۱۵/ ذی الحجہ ۱۲۹۵ھ (۱۰/ دسمبر ۱۸۸۷ء) کو پیدا فرمایا تھا اس کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آج بتاریخ ۱۵/ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ کو میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اپنی عمر کے پچاس سال پورے کیے، اس پوری مدت پر نظر ڈالتا ہوں تو عجیب عجیب خیالات دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ ۷ار رمضان المبارک ۱۲۹۷ھ کو میرے والد نے بعارضہ ہیضہ کوئی تیس بتیس یا اٹھائیس سال کی تھی، انتقال فرمایا والدہ نے سوائے قرآن کریم کے کچھ نہ پڑھا تھا۔ خود اردو کا بین السطور ترجمہ پڑھنے کی استعداد پیدا کرلی تھی۔ والد نے تیس پینتیس ہزار قرضہ چھوڑا تھا اور پانچ لڑکے اور ایک لڑکی جن میں سے سب سے بڑے کی عمر ۱۳ر سال کی تھی، جو تین برس ہی کی عمر سے مرگی کے موذی مرض میں مبتلا رہے، اور سب سے چھوٹا میں خود تھا جس کی عمر اس وقت پونے دو سال کی تھی۔ مجھے اپنے والد مرحوم بالکل یاد نہیں مگر والدہ مرحومہ کو کبھی نہیں بھول سکتا، علاوہ اس فیض گراں مایہ کے جو شوکت صاحب کی محبت نگرانی اور ترغیب وتحریص کی بدولت مجھے نصیب ہوا ہے میں جو کچھ ہوں اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ خداوند کریم نے مجھے اسی مرحومہ کے ذریعے سے پہنچایا ہے۔(۳)

علی برادران کی والدہ ''بی اماں'' نے خواتین کو رضا کارانہ حیثیت سے تحریر خلافت میں شمولیت کے لئے دعوت دیتے ہوئے فرمایا:

وہ مرد اور عورت جس میں ذرہ برابر ایمان اور خودداری ہے اسے اپنے آپ کو خداوند تعالیٰ کی فوج کا سپاہی سمجھنا چاہیے۔ قید خانوں سے خوف نہ کھاؤ، لیکن اسی کے ساتھ اپنی مذہبی اور سوشل زندگیوں کی ذمہ داریوں کو بھی فراموش نہ کرو۔ جذبات کو مشتعل کرکے اپنی گرفتاری کا سبب نہ پیدا کرو، لیکن جب وہ پیش آئے تو اس سے بھاگو بھی نہیں۔ ہمیں قرآن کریم اور شاستر کے احکامات پر پابند رہنا چاہیے، یاد رکھو کہ جب ہمارے کل مرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیل خانوں میں چلے جائیں گے تو اس وقت آزادی کے پھریرے
جھنڈے تمہیں لہرانا پڑے گا۔ (۴)

بی اماں لاہور کی ایک تقریر میں خطاب کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

میرے بھائیو! جیل سے خوف زدہ نہ ہو، بندوق کی گولیوں سے مقابلہ
کرو، موت تو یقینی ہے چاہے وہ بندوق کی گولی سے یا مہلک بیماری سے،
اگر گولیوں سے مرے شہیدوں میں شمار کیے جائیں گے، اگر بچ گئے تو
مجاہدین میں ہوں گے۔ فتح ہماری یہاں بھی ہے اور وہاں بھی، اللہ ہمارا
اور ہمارے بچوں کا محافظ ہے۔ (۵)

بی اماں کی اشتعال انگیز تقریروں سے سینٹرل گورنمنٹ اس مخمصے میں پڑ گئی کہ کیسے ایک عمر رسیدہ پردہ نشین خاتون کو جیل میں بند کرے؟

مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنی ڈائری میں خاتمہ خلافت کی عکاسی اس طرح کرتے ہیں:

۲۴ء میں جس طرح محمد علی صدر کانگریس ہو کر سارے ملک کے سردار منتخب
ہوئے، اسی طرح یہ سنہ ان کی زندگی میں عام الحزن یا سال غم کی حیثیت
بھی رکھتا ہے۔ بڑے سے بڑے صدمات شاید اسی سال کے لئے اٹھ
رہے تھے۔ جوان مدقوق بیٹی نے مارچ میں داغ مفارقت دیا، اور رونے
والے باپ کے آنسو ابھی رواں ہی تھے کہ خبر آئی، مصطفیٰ کمال نے ادارۂ
خلافت اسلامیہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ محمد علی کے دل و دماغ پر گویا بجلی
گر پڑی۔ جس خلافت کے تحفظ کی خاطر برسوں سے اپنے جان و مال کی
بازی لگائے ہوئے تھے، جس کی خاطر جیل کی سختیاں اٹھائیں، بے روز
گار، بے گھر، بے در ہو کر رہے، تارک الوطن ہونا پڑا، جمع پونجی لٹا کر
کھو کھلے ہو گئے، دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھا، اس کا انجام، دشمنوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور یورپی قوموں کے ہاتھوں نہیں، ایک ترک اور اپنے کو مسلمان کہلانے والے کی ایک جنبش قلم سے دیکھا، محمد علی پر جو کچھ گزری اسے بس عالم الغیب ہی جان سکتا ہے۔ دشمنوں، خصوصاً انگیریزی اخباروں کے طعنے اور زہر خندا اصل صدمے پر مستزاد! حیرت اسی پر ہے کہ دیوانگی کی نوبت کیوں نہ آ گئی۔ اپریل میں محبوب وعزیز بھائی مولانا شوکت علی دہلی میں علیل اور سخت علیل ہوئے۔ مہینوں صاحب فراش رہے۔ درمیان میں مایوسی ہوگئی۔ گاندھی جی بھی اسی اثناء میں جیل سے رہا ہو چکے تھے (محمد علی ان کی رہائی کے لئے پورا زور لگا چکے تھے) اور صدر کانگریس کا ان سے بمبئی جا کر فوراً ان سے ملنا، اتنے ذاتی اور قومی حادثوں کے شکار، خلافت کمیٹیوں کا کام بدستور جاری اور کانگریس کے بھی، سارے ملک کے کاروبار کی نگرانی محمد علی کے ذمہ تھی۔ (۶)

بیگم محمد علی کا ایک خط: جس سے مولانا جوہرؒ کی زندگی کے آخری لمحات پر روشنی پڑتی ہے۔

(لندن، ۹ جنوری، ۱۹۳۱ء) پیاری زہرہ! پیار:

میں زندہ ہوں، لیکن مردوں سے بدتر، نہ معلوم میری قسمت میں کیا لکھا ہے کہ اب تک زندہ رہی۔ جنکی دنیا کو ضرورت تھی وہ مجھ کو اور تم کو تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ اسی کا ہر وقت خوف رہتا تھا۔ وہ سامنے آ کر رہا۔ میری ایک بھی درخواست قبول نہیں ہوئی۔ (ہندوستان جانے کے لئے ان کا کہنا تھا) جب پورا کام ہو جائے...... (جاؤں گا)۔

میری ایک بات نہیں سنتے تھے۔ اس لئے مجبوراً دیکھتی رہتی تھی، جب ۲/ دسمبر کو زیادہ بیمار ہو گئے تھے اور ہوش آ گیا تھا۔ میں نے ڈاکٹر سے کہا کہ آپ ان سے کہئے کہ ہندوستان جلد چلے جائیں۔ ڈاکٹر مانک نے کہا، آپ کے گردے کام نہیں کر رہے ہیں۔ تمہارا علاج سوائے آرام کے کچھ نہیں ہے۔ آپ آرام کیجئے، اور یہاں کی سردی بھی آپ کے لئے اچھی نہیں ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں تو آپ کو یہی رائے دیتا ہوں کہ آپ ہندوستان جلد چلے جائیں۔ کہا: اچھا! اگر آپ کی یہی رائے ہے تو میں ۱۶؍ کو یا پھر ۲۳؍ کو جہاز سے چلا جاؤں گا۔

یکم کو ۸ بجے ایک جگہ جانا تھا، مجھ سے کہا وہاں ضرور جانا، دوسرے روز، میں تم کو اور بھائی جان کو خط لکھ رہی تھی۔ کہا میری بیٹی زہرہ کو لکھ دو، ۲ کو میری بری حالت ہوگئی تھی لیکن بچ گیا۔ آج تھک گیا ہوں (یعنی ۳؍۱؍۱۹۳۱ء کو) ورنہ خود خط لکھتا۔ میں نے کہا میں نے سب لکھ دیا ہے۔ اسی روز جب میں گئی ہوئی تھی، لکھواتے رہے (یعنی کم جنوری کو) اس کی غلطی نکالتے رہے۔ رات کو ۱۱ بجے سو گئے۔ (یکم اور ۲ جنوری کی درمیانی شب) جس طرح روز اٹھتے تھے دو تین مرتبہ اٹھ کر پیشاب کیا۔

صبح آٹھ بجے اٹھ کر مجھے آواز دی کہ اب اٹھئے۔ میرا منہ دھلوا دیجئے۔ ۳؍ جنوری خوب دانت صاف کئے۔ منہ ہاتھ اپنے ہاتھ سے دھویا۔ کافی پیتے رہے، ٹوسٹ کھاتے رہے، میں نے کہا: جس قدر لوگ ہندوستان سے آئے ہیں انہوں نے (ان سب نے) جہاز میں انتظام کرلیا (ہندوستان واپس جانے کے لئے) آپ نے ابھی تک نہیں کرایا ہے تو کہا کہ زاہد آجائے تو ۱۶؍ کے جہاز سے اور ۲۳؍ کے جہاز سے انتظام کرتا ہوں۔ زاہد آئے تو ان سے کہا کہ ٹیلیفون کرو۔ ہندوستانی ہوٹل سے مونگ کی کھچڑی منگا کر کھائی، اتنے میں پانچ بج گئے۔ کہا میں تھک گیا ہوں، اب سو جاؤں۔ ۷ بج گئے۔ نرس نبض دیکھنے لگی۔ آواز گلے سے نکلی، آنکھیں کھلی ہوئی اور اٹھنا چاہتے ہیں۔ ہاتھ اٹھایا، میں نے اپنے ہاتھ میں ہاتھ دبایا تو مسکرائے گویا کہ پہچانتا ہوں۔ لیکن زبان نہیں چلتی تھی۔ ۹ بجے دل کے ڈاکٹر نے کہا فالج ہوا ہے۔ ایک ہاتھ ایک پیر بیکار ہے۔ (۴ جنوری ۱۹۳۱ء) کو صبح سوا نو بجے ہم سب کو اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔ (۷)

انا للہ وانا الیہ راجعون

ہندوستان کی جدوجہد آزادی میں خواتین نے بھی مردوں کے دوش بدوش حصہ لیا۔

مولانا محمد علی نے جس گھرانے میں آنکھ کھولی اسے ہمیشہ سے سرداروں اور روٴسا کا قرب حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہا۔ لیکن ان کی والدہ بی اماں (۸) کا خاندان ۱۸۵۷ء کی شورش کے زمانہ سے اس کے برعکس نظر آتا ہے۔ اگر عبدالعلی خاں کی شادی کسی ایسے خاندان میں ہوتی جو رؤسا سرداروں یا نوابین کے ماحول کا پروردہ ہوتا تو عین ممکن تھا کہ برادران آزادی کے سپاہی بننے کے بجائے حکومت انگلیشیہ کے وفاداروں میں ہوتے۔

بی اماں کی ولادت ۱۸۵۲ء میں ہوئی، مولانا نے تحریر کیا ہے:

۱۷ رمضان المبارک ۱۲۹۷ھ، ۱۸۸۰ء کو میرے والد نے وفات پائی۔
میری والدہ کی عمر ستائیس اٹھائیس سال کی تھی۔ (۹)

یہی سنہ ولادت خاندانی ڈائری میں بھی موجود ہے۔ بی اماں کے اجداد میں محمد درویش علی خاں پنج ہزاری منصب دار، محی الدین خاں دو ہزاری، حکیم علی خاں دو ہزاری منصب دار فرخ سیری شمس الدین خاں ہزاری منصب داری محمد شاہی موجود تھے۔ یہ خاندان امروہہ میں ذی حیثیت اور با اقتدار تھا۔

مولوی آلِ حسن نے بی اماں کے اجداد کے بارے میں تحریر کیا ہے:

خان عالیٰ شان محمد درویش علی خاں که از عمده امرا و اراکین سلطنت فرخ سیر بادشاه بود و منصب جلیل ورتبه عظیم داشت جوانِ خوب رواجمل احسن روزگار و مطمع الانظار بود. بادشاه بادئی النظر التفات و اختصاص می فرموداز دهلی باامروهه و ردونمود اکثر مردم بسلک منصبدارانِ جلیل القدر منتظم بودند وقار واقتدارمی داشتند، غلام مولانا خاں بن شمس الدین خاں بن درویش علی خاں باوجود کمالِ ثروت واقتدار عجزو انکسار بے حد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داشت۔(۱۰)

تاریخ امروہہ کا مصنف اس خاندان کے بارے میں تحریر کرتا ہے:

درویش علی خاں کا گھرانہ عہد سابق سے معزز اور نامور ہے۔(۱۱)

حافظ احمد علی شوق مصنف تذکرہ کاملان رامپور کے قول کے مطابق:

غدر (جنگ آزادی) ۱۸۵۷ء کے وقت تک دس بارہ ہزار ماہانہ کی آمدنی کے قریب اس خاندان کے بنی عمام میں موجود تھا۔(تھی)(۱۲)

اودھ کے تسلط کے وقت درباروں کی حاضری کے لئے اس خاندان کے افراد نہیں گئے، اس لئے جاگیروں کا کثیر حصہ ضبط ہوگیا اور بقیہ ماندہ ۱۸۵۷ء کی نظر ہوگیا۔

۱۸۵۷ء کے غدر کے زمانہ میں میرٹھ میں فوج کے باغی ہو جانے کے بعد امروہہ میں بھی اطلاعات آرہی تھیں، ۱۸۰۱ء میں انگریز فوج کے اخراجات کی غرض سے روہیلکھنڈ کا علاقہ جس میں مراد آباد بھی شامل تھا، کمپنی کو دے دیا گیا۔ ۱۷رمئی ۱۸۵۷ء کو امروہہ کے ذی حیثیت خاندانوں (دیوانِ سید محمود اور خاندانِ درویش علی خاں) نے درگاہِ حضرت شاہ ولایت علی رحمۃ اللہ علیہ میں ایک میٹنگ (مجلس مشاورت) کی جس میں شہر کے عمائد واکابرین کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس میٹنگ کا مقصد یہ تھا کہ اگر دہلی اور میرٹھ کی طرح غدر امروہہ میں بھی ہوگیا تو ہم انگریز علم درہم برہم کردیں گے اور اپنی حکومت قائم کرلیں گے اس سلسلے میں تاریخ امروہہ میں تحریر ہے:

خاندانِ دیوان سید محمود اور خاندانِ درویش علی خاں کے تعداد ورسوخ کے اعتبار سے اس زمانہ میں امروہہ کے دوسرے خاندانوں کی بنسبت شانِ امتیاز رکھتے تھے، اور اپنے کو موروثی منصب دار سمجھتے تھے اس لئے شہر کی حکومت کے دعویدار تھے۔(۱۳)

غدر شروع ہوا ۹رمئی کو باغیوں نے مراد آباد کا جیل خانہ توڑ ڈالا۔ قیدی آزاد ہو کر سید گلزار علی بن سید اکبر علی ساکن دربار کلاں کے ہمراہ امروہہ پہنچ گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ موروثی منصب داروں کی جمعیت کے ہمراہ ۲۰ رمئی ۱۸۵۷ء کو تھانہ پر حملہ کیا گیا۔ تھانہ کی عمارت کو آگ لگادی گئی اور تحصیل کا خزانہ لوٹ کر اس پر قبضہ کرلیا گیا۔ اور دیوان سید محمود اور درویش علی خاں کے اہل خاندان نے حکومت قائم کرلی، درویش علی خاں کے خاندان نے دہلی کے معزول شہنشاہ کو عرضداشت بھی روانہ کیں۔ تاریخ امروہہ میں دونوں عرضداشت موجود ہیں۔(۱۴)

محمود احمد الہاشمی العباسی کے قول کے مطابق اس خاندان نے امروہہ میں غدر کے دوران اپنی حکومت قائم کرلی تھی اور یہ سلسلہ کئی ماہ تک چلا۔ جب حالات معمولی پر آئے تو بغاوت کو کچلا گیا اور مجاہدین آزادی کو باغیوں کا نام دے کران کی گرفتاریاں کی گئیں۔ اس وقت بشارت علی خاں اور ولایت علی خاں بی اماں کے حقیقی چچا کو بھی گرفتار کرلیا گیا اس خاندان کے بعض لوگ یہ کہہ کر نکل گئے کہ اب منہ نہ دکھائیں گے۔ شیخ مظہر علی خاں کے بارے میں تذکرۂ کاملان رامپور (۱۵) کے مصنف نے لکھا ہے کہ یہ روپوش ہوگئے۔ لیکن مولانا محمد علی کے خاندان کی روایت یہ ہے کہ مظفر علی کے دادا) اور مظفر علی (بی اماں کے والد) کے تعلقات بھی ہوگئے (ملاقات)۔ جو بعد میں رشتہ داریوں میں تبدیل ہوئے۔ حافظ احمد علی شوق نے محمد راشد علی خاں ولد مظفر علی خاں کے بارے میں تحریر کیا ہے:

> آٹھ سال کی عمر میں اپنی والدہ اور ہمشیرہ کے ہمراہ رامپور آئے اور یہیں مقیم رہے۔ آپ کی ہمشیرہ کی شادی راقم الحروف کے چھوٹے چچا عبدالعلی خاں مرحوم سے ہوئی، جن کے فرزند شوکت علی خاں بی۔ اے اور محمد علی خاں آکسن مالک اخبار کامریڈ اور ہمدرد ہیں۔(۱۶)

بی اماں نے جس ماحول اور گھرانے میں آنکھ کھولی وہ ذی حیثیت ذی علم اور بااقتدار گھرانہ ہونے کے ساتھ ساتھ انگریز حکومت کا مخالف تھا۔ اور یہ مخالفت کا جذبہ اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ اس نے بی اماں کے خاندان کے افراد کو جامِ شہادت پینے کے لئے مجبور کردیا۔ بی اماں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمر ۱۸۵۷ء میں تقریباً پانچ سال تھی ۱۸۵۷ء کے بعد اس خاندان کی جائیدادیں ضبط ہوگئیں۔ اقتدار ختم ہوا۔ آمدنی بیس ہزار سے گر کر ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ رہ گئی، خاندان کی تباہی کے اسباب دیکھے اور بزرگوں سے انگریز کے مظالم کی داستانیں بھی لازماً سنی ہوں گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریز سے انہیں نفرت ہوگئی، اور اس کی حکومت کا تختہ الٹنے کا خواب دیکھنے لگیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد بچوں کی نگرانی ان کے سپرد ہوئی۔ محمد علی دو سال کے تھے اور شوکت علی کچھ بڑے۔ اس لئے ان کی ذہنی تعمیر انہوں نے اس طرز پر کی کہ ان دونوں نے انگریز حکومت کے پائے ہلا دیئے۔

اس کے برعکس علی بخش خاں (مولانا کے دادا) ۱۸۵۷ء میں اپنے آقا نواب رام پور کے حکم پر انگریزوں کو رسد پہنچا رہے تھے۔

۱۹۱۵ء میں علی برادران نظر بند کر دیئے گئے۔ مولانا کی نظر بندی کے دوران آبادی بیگم زوجہ عبد العلی المعروف بی اماں اُن کے ہمراہ چھندواڑہ میں تھیں۔ اس دوران انہوں نے بعض خطوط تحریر کیے ہیں جو کتابی شکل میں چند اہم خطوط کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ بی اماں لکھنا نہیں جانتی تھیں۔ ۹ر اکتوبر ۱۹۰۹ء کو تحصیل سنبھل ضلع مراد آباد کی جائیداد کی ایک رجسٹری ہوئی ہے اس دستاویز کا اندراج محکمہ رجسٹری مراد آباد کے رجسٹر نمبر ایک جلد نمبر ۱۵ر صفحہ ۸۷، ۱۱۴، ۱۱۸ پر درج کیا گیا ہے۔ اس پر بی اماں کا نشان انگوٹھا ہے، اور اس کی تصدیق مولانا شوکت علی نے کی ہے۔

مولانا محمد علی کے علاوہ ان کے برادران نوازش علی خاں، ذوالفقار علی خاں، بندہ علی خاں، محمد علی شوکت علی اور مولانا محمد علی کی زوجہ امجدی بیگم اور مولانا کی بہن محمدی بیگم کے بھی دستخط ہیں۔ اس لئے یہ جواز انتہائی نحیف ہے کہ اُس زمانہ میں عورتوں کے دستخط کے بجائے نشان انگوٹھا ہوتا ہوگا۔ مولانا محمد علی نے بی اماں کی تعلیم کے بارے میں لکھا ہے:

> میری والدہ نے سوائے قرآن پاک کے کچھ نہ پڑھا تھا۔ خود اردو کا بین السطور ترجمہ پڑھنے کی استعداد پیدا کر لی تھی۔ (۱۷)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لئے جو پیغامات یا خطوط بی اماں بیگم عبدالعلی، آبادی بانو بیگم کے نام سے شائع ہوئے ہیں وہ 'بی اماں' نے تحریر نہیں کئے۔ اغلب یہ ہے کہ مولانا محمد علی نے ہی تحریر کئے ہوں گے۔ (نظر بندی کے دوران چھندواڑہ میں علی برادران میونسپل حدود میں آیا جایا کرتے تھے اور ان سے بھی مختلف افراد ملنے کے لئے آیا کرتے تھے) یا بعض ایسے خطوط جو حکومت کو تحریر کئے جاتے تھے انہیں مسٹر گھاٹے تحریر کرتے تھے اس کا ذکر بی اماں کے خطوط میں ملتا ہے۔(۱۸) بی اماں اخبارات بھی دوسروں سے پڑھوا کر سنتی تھیں۔ انہوں نے لکھا ہے (لکھوایا ہے):

میں تمام اردو اخبارات پابندی کے ساتھ پڑھواتی ہوں۔ اور اکثر انگریزی اخبارات کا بھی خلاصہ کروا کر سنتی ہوں۔

چند اہم خطوط، اصل میں انگریزی میں تحریر کئے گئے تھے اور یہ اردو ترجمہ کی شکل میں شائع ہوئے، بی اماں انگریزی سے بالکل ناواقف تھیں۔ اس لئے اغلب ہے یہ خطوط مسٹر گھاٹے قانونی مشیر اور بعض مولانا محمد علی نے تحریر کئے ہوں، بعض خطوط بہت طویل ہیں اور طرز تحریر مولانا محمد علی کی طرح ہے، خطوط میں طول نویسی بھی ہے اور جملوں کی ساخت محمد علی کے جملوں کی طرح ہے۔

ان خطوط میں ترکی کی حمایت کو مذہبی فریضہ قرار دیا گیا ہے۔ ۱۱؍دسمبر ۱۹۱۷ء کو بیگم عبدالعلی کو بی اماں کی طرف سے ایک خط لکھا گیا ہے گو کہ خط قانونی مشیر کی مدد سے لکھوایا گیا ہے۔ لیکن اس کے جملوں کی ساخت اور نفس مضمون یہ بتاتا ہے کہ اس میں مولانا محمد علی کی رائے اور ترتیب مضمون شامل ہے۔

اس خط میں تحریر ہے:

اس وقت تک کوئی مسلمان حقیقی معنوں میں مسلمان نہیں ہے۔ جب تک وہ مسلمانان ترکی کے ساتھ اسی آزادانہ ہمدردی کے تبلیغ و اظہار میں کوشاں نہ ہو جس آزادی کے ساتھ وہ مسلمانان ایران، ہندوستان و عربستان سے ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔ سلطان ترکی کی ایک خاص حالت ہے، بحیثیت ایک دنیاوی حکومت کے وہ عالم کے ایک خطے پر جو ترکی کے نام سے موسوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے سلطان اسی طور سے حکمراں ہیں جس طریقے سے شاہ کج کلاہ زمین فارس پر یا امیر افغانستان پر حکومت کرتے ہیں۔ سلطان ٹرکی کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے، وہ امتیاز کیا ہے، خلافت کا زیب تن کرنا ہے۔(۱۹)

عبدالعلی خاں اور بی اماں کی شادی کے بعد بی اماں کے خاندان کی کئی لڑکیوں کی شادی بھی علی بخش خاں کے خاندان میں ہوئیں۔ چنانچہ امتیاز علی تحصیلدار (۲۰) کی زوجہ جو عرف عام میں ننھی بیگم کہلاتی تھیں۔ بی اماں کے خاندان سے تھیں غالباً یہی وجہ تھی کہ شوہر کے انتقال کے بعد جب بچوں کی پرورش کی پوری ذمہ داری بی اماں پر آ گئی تو ان کے روابط اور آنا جانا زیادہ تر ان گھرانوں میں تھا جو قلعہ پرستی اور نواب رامپور کے ان عہدہ داروں میں نہ تھے جو نواب رامپور کی ذات سے متعلق محکموں میں ملازم تھے۔

مولانا کو ۱۹۱۵ء میں رامپور میں نظر بند کیا گیا اور بوجہ علالت انہیں گھر پر رہنے کی اجازت ملی تو انکا قیام امتیاز علی مرحوم کے گھر رہا جن کی شریک حیات ننھی بیگم تھیں۔ مولانا کے اس عمل میں بی اماں کی وہ تربیت پوری طرح نظر آتی ہے جو انہوں نے مولانا محمد علی کی تھی۔

انگریز دشمنی کا جذبہ علی برادران کو بی اماں سے وراثت میں ملا تھا اور وہ اس جذبہ کے امین، ضامن اور وارث تھے۔

مولانا محمد علی نے لکھا ہے:

ہماری والدہ نے دوسرے کی مدد کے بغیر ہماری تربیت کی۔(۲۱)

والد کے انتقال کے بعد مولانا کے ایک چچا جو ان کی جائداد کا کام دیکھا کرتے تھے ان کے حسن سلوک کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے:

جب دو بھائیوں میں سے چھوٹے یعنی شوکت کو (والدہ نے) انگریزی تعلیم دلوانے کا ارادہ کیا تو وہ چچا جو ہماری جائداد کا انتظام دیکھتے تھے ان کی تعلیم کے مصارف انہوں نے دینے سے انکار کر دیا۔(۲۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب اس بیوہ کے حصہ کا روپیہ مولانا کے چچا نے نہیں دیا تو بی اماں کو مجبوراً اپنا زیور رہن رکھوانا پڑا اور اس روپیہ سے مولانا شوکت علی کو جہاں پہلے سے (بریلی میں) ذوالفقار علی پڑھ رہے تھے، بغرض تعلیم روانہ کیا۔

مولانا نے بھی تحریر کیا ہے:

میں جو کچھ ہوں اور جو کچھ میرے پاس ہے وہ خداوند کریم نے اس مرحوم کے ذریعہ پہنچایا تھا۔(۲۳)

علی برادران کی تعلیم اور تربیت کے بعد بھی بی اماں کا مقصد حیات پورا نہیں ہوا تھا اس لئے کہ انگریز کی جابر اور ناانصاف حکومت ہندوستان میں نقطۂ عروج پر تھی۔ چنانچہ علی برادران کی نظر بندی کے زمانہ میں بی اماں زیادہ تر ان کے ہمراہ رہیں۔ بی اماں نے اپنے خط میں سبرا منیم آئر کو لکھوایا ہے:

پہلے دن سے میں ان کی جبریہ جلاوطنی میں شریک ہوں اور ایسا کرنے پر کبھی نہیں پچھتائی۔ یہ عزت انہیں لوگوں کے لئے ہے جن کو خداوند تعالیٰ مذہب اور ملک کی خاطر تکالیف و مصائب برداشت کرنے اور جان دینے کے لئے منتخب کرتا ہے۔(۲۴)

علی برادران کی نظر بندی کے دوران ہی ۷/ستمبر ۱۹۱۷ء کو عبدالمجید ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس سی آئی ڈی چارلیس کلولینڈ ڈائریکٹر محکمہ خبر رسانی کے حکم پر علی برادران کے پاس پہنچے اور ان کے سامنے ایک معاہدہ پیش کیا اور کہا کہ اگر آپ اس پر دستخط کر دیں تو آپ کو رہا کر دیا جائے گا۔

معاہدہ

میں بقیہ ایام جنگ میں کوئی ایسا کام کرنے، ایسی تحریر لکھنے یا ایسی بات کہنے سے معترض رہوں گا، جس سے حضور شاہ قیصر کے دشمنوں کی ہمت افزائی یا امداد مقصود ہو یا معقول طور سے اس کا احتمال ہو۔ میں کوئی ایسا کام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

> کرنے ایسی تحریر لکھنے یا ایسی بات کہنے سے بھی معترض رہوں گا جس سے حضور شاہ قیصر کے حریفوں پر حملہ کرنا مقصود ہو یا معقول طور سے اس کے یہ معنی لگانے کا احتمال ہو۔ (۲۵)

اس معاہدہ کے بارے میں لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ شرائط نامہ کا جواب تحریر کریں کہ بی اماں کو اس مشروط رہائی کی اطلاع ملی وہ فوری طور پر برقعہ پہن کر اس کمرہ میں آ گئیں جہاں عبدالمجید بیٹھے تھے، اور انہوں نے عبدالمجید کو مخاطب کر کے کہا:

> میں چاہتی ہوں کہ گورنمنٹ یہ جان لے کر اپنی تکالیف سے بچنے کے لئے وہ (علی برادران) کسی ایسی بات کا اقرار کر لیں گے جو ان کے مذہبی احکام یا ملکی فوائد کے ذرا بھی خلاف ہو تو مجھے یقین ہے کہ اللہ پاک میرے قلب کو اتنی مضبوطی اور ان سوکھے جھریاں پڑے ہاتھوں میں اتنی طاقت دیگا کہ میں اسی وقت ان دونوں کا گلا گھونٹ دوں گی۔ گو یہ مجھے عزیز ہیں اور نجیم وشحیم دکھائی دیتے ہیں۔ (۲۶)

بی اماں نے معاہدہ کا مضمون سن کر مندرجہ بالا جواب جو عبدالمجید کو دیا اس کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق، یقین اور اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ خلافت کے زمانے میں جو منظومات گائی جاتی تھیں، وہ بی اماں کے جذبات وعمل کی ترجمانی کرتی ہیں۔

بولیں اماں محمد علی کی جان بیٹا خلافت پے دیدو

کا گیت بی اماں کے صحیح جذبات کی ترجمانی کر رہا ہے قوم وملت کی خدمت کرنے کے لئے انہوں نے اپنے بچوں کی تربیت کی اور اس تربیت کی تکمیل کے بعد بھی ایک تجربہ کار اور جہاں دیدہ استاذ کی طرح ایسے موقعوں پر ہمیشہ علی برادران کے ہمراہ رہیں جہاں پیر لڑکھڑانے یا لغزش کر جانے کا معمولی سا شائبہ بھی ہو سکتا تھا۔

بی اماں کے مذکورہ بیان سے ان کے حوصلہ، جرأت اور بے خوف وخطر آتش نمرود میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کود پڑنے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ضعیفی میں بھی ان کے عزم اور حوصلہ کا یہ انداز تھا کہ جب ہوم رول لیگ لوک مانیہ تلک نے قائم کی تو انہوں نے اپنی بہو اور دیگر ممبران کے ہمراہ اس کا حلف لے لیا اور سر سبرامنی آئر پریذیڈنٹ ہوم رول کو ایک طویل خط لکھا یہ خط انہوں نے مسز اینی بیسنٹ کی نظر بندی کے سلسلے میں صدائے احتجاج بلند کرنے والے جلسے میں پڑھ کر سنایا تھا اس خط کے تحریر کرانے سے قبل بی اماں اینی بیسنٹ سے نہیں ملیں۔ صرف علی برادران سے خط و کتابت تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بی اماں اپنے عقیدہ اور نظریات و گفتار سے ہی سیاست میں حصہ نہیں لیتی رہیں بلکہ انہوں نے اپنے عقائد کا با آواز بلند اعلان کیا ان کا کہنا تھا:

> اس زمانے میں محض عقائد ہی کافی نہیں اب تو اس کی ضرورت ہے کہ ہر شخص اپنے عقائد کا با آواز بلند اعلان کرے۔ (۲۷)

بی اماں نے مولانا کی سزایابی کے زمانہ میں پورے ہندوستان کے دورہ کئے اور چندہ جمع کر کے مولانا محمد علی جوہر کی تحریک کو فعال و متحرک رکھا۔ مولانا نے تحریر کیا ہے:

> ہمارے جیل میں داخل ہوتے ہی ہم پر باہر کی دنیا کا دروازہ بند ہو گیا۔ تو میری ماں نے ایک ہاتھ میں تسبیح کو اور دوسرے ہاتھ میں عصائے پیری کو لیا اور نقاب الٹ کر وہی کام کرنا شروع کیا جو ہم کیا کرتے تھے۔ مگر جسے حکومت نے سخت خطرناک سمجھ کر ہمیں جیل میں ڈال کر ہم سے جان چھڑالی تھی۔ میری والدہ اور میری بیوی نے تقریباً چالیس پینتالیس لاکھ روپیہ وصول کیا۔ (۲۸)

اس پیرانہ سالی کے باوجود بی اماں ہندوستان کا دورہ کرتی رہیں۔ مارچ ۱۹۲۴ء میں ان کی طبیعت میرٹھ میں خراب ہو گئی۔ اس سے قبل وہ پولیٹیکل کانفرنس میں شرکت کی غرض سے سندھ گئی تھیں۔ واپسی میں انہیں میرٹھ میں آمنہ بیگم (مولانا کی صاحبزادی کی علالت کا تار ملا جس کی وجہ سے علی گڑھ پہنچیں اور دیر تک صحن میں بیٹھی رہیں۔ بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو گئیں۔ انہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بغرض علاج دہلی لایا گیا۔ اس کے بعد ان کی خواہش پر انہیں رامپور لایا گیا۔ مولانا نے تحریر کیا ہے:

> وہاں جا کر طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی ہم لوگ فوراً رامپور گئے۔ مگر کئی دن تک بوجہ امتناعی احکام رامپور میں داخل نہ ہو سکے اور اسٹیشن پر ہی پڑے رہے۔ بی اماں کو جب معلوم ہوا کہ میرے بچے مجھ سے اور میں بچوں سے نہیں مل سکتی تو وہ اسی حالت میں اسٹیشن پر چلی آئیں اور اصرار کیا کہ میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلوں گی۔ مجبوراً ان کو دلی لانا پڑا۔ بی اماں کی اب یہ خواہش باقی ہے کہ سوراج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور ہندو مسلمانوں میں اتحاد ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک کی موجودہ حالت نے بھی ان کی صحت پر بہت برا اثر کیا۔ (۲۹)

لیکن افسوس کہ بی اماں کی یہ آرزو ان کی حیات میں پوری نہ ہو سکی ۱۲؍اور ۱۳؍ نومبر ۱۹۲۴ء کی درمیانی شب میں بی اماں کا انتقال دہلی میں ہوا۔ موصوفہ حضرت شاہ ولی النبی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھیں جو حضرت شاہ احمد سعیدؒ کے خلیفہ تھے۔ بی اماں کو شاہ ابوالخیر صاحب (دہلی کے احاطہ میں مشرقی دروازہ کے باہر مزار کے برابر برآمدہ میں دفن کیا گیا۔ پہلے قبر پر کتبہ بھی تھا لیکن برآمدہ کی زمین کو غالباً یکساں کرانے کی غرض سے کتبہ اور تکیہ الگ کر دیا گیا ہے اب موزائک کا فرش ہے اور برآمدہ میں قبر کا نشان باقی ہے۔ بی اماں کی وفات پر ملک کے گوشہ گوشہ سے پیغامات آئے جو ۸؍نومبر ۱۹۲۴ء کے ہمدرد میں شائع ہوئے ہیں۔

بی اماں کا ماتم
تعزیت کے پیغام

۱۴؍نومبر ۱۹۲۴ء، بی اماں جو ہند ''محترم فرزندوں کی محترم ماں تھیں'' انتقال کی خبر ابھی سنی، پیام تعزیت قبول کیجئے۔ تلسی چندر گوسوائی کلکتہ۔

میرا خلوص آمیز پیام تعزیت قبول فرمائے، سی۔آر۔داس، کلکتہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بی اماں کے انتقال کی خبر سے صدمہ ہوا۔ وہ آپ کی اور ہماری سب کی ماں تھیں۔

"ہندو مسلم" اتحاد کی سچے طور سے حامی تھیں۔ پروفیسر، روچی رام ساہنی، لاہور۔

آپ کے رنج و غم سے اور ملک کے نقصان عظیم سے مجھے بھی صدمہ ہے اور آپ کے

ساتھ دلی ہمدردی ہے۔ مسٹر و مسز دیپ نرائن بھاگلپور۔

میرا دلی پیام تعزیت قبول ہو۔ خدا مرحومہ کی مغفرت کرے۔ محمد اورنگ زیب خان پشاور۔

آپ کے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔ والدہ مرحومہ کی مغفرت کے لئے دعا کرتا ہوں۔

غازی محمود۔ لودہیانہ۔ (۳۰)

آہ بی ماں

کیوں نہوں پھر فرط غم سے ہند والے بیقرار
حلقہ احرار میں ماتم نہ کیوں ہو آشکار

غم کی اک بجلی گری دل پر سنی جس دم خبر
ہوگئے مبہوت پایا جس گھڑی دی کا تار

اپنے سر سے آج بی اماں کا سایہ اُٹھ گیا
آج بی اماں سے خالی ہوگیا اپنا دیار

کیا لکھیں شوکت محمد کو بتاؤ دوستو
کس طرح تسکین دیں انکو جو خود ہوں سوگوار

وہ ارادے وہ ہمت اور وہ قومی معرکے
یاد آتی ہیں وہ بی اماں کی باتیں بار بار

دیکھ کر آزاد ان کو چین سے سوتی ہیں اب
قید تھے بیٹے تو تھیں ان کی جگہ مصروف کار

ہے یہی اپنی دعا تم بھی قمر آمین کہو
جنت الفردوس بی اماں کی ہو جائے قرار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی تربت پر سدا ہو رحمت حق کا وفور
تاقیامت ہو جہاں میں ان کی باقی یادگار

ہم سب کی طرف سے دلی ہمدردی کا پیام قبول کیجئے۔محترم مرحومہ کو خدا جوار رحمت میں جگہ دے ''نہرو'' الہ آباد۔

انتقال کی خبر سے سخت صدمہ ہوا۔اس پرالم غم میں ہماری طرف سے پیامِ تعزیت قبول کیجئے۔شنکرلال (بینکر) (۳۱)

والد صاحب کو مجھے اور میرے بھائیوں کو بی اماں کے انتقال پر بڑا رنج ہوا، ہم سب ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا مرحومہ کو بہشت نصیب کرے۔

احمد حاجی صدیق، کھتری، بمبئی

مجھے اور میرے تمام خاندان کو آپ کے ساتھ ہمدردی ہے۔

خلافت پریس اور عملہ آپ کے غم واندوہ میں ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں، اور مرحومہ کی بخشش کے لئے دعا کرتے ہیں۔ خلافت پریس۔بمبئی

بی اماں کے ماتم میں ہم آپ کے ساتھ شریک ہیں۔اللہ ہم سب کو صبر کی توفیق دے۔

ڈاکٹر کچلو، مولانا ظفر علی خاں، لاہور

بی اماں کے انتقال سے صدمہ ہوا۔پیام ہمدردی قبول کیجئے۔

شیخ صادق حسین، امرتسر۔

بی اماں کے انتقال پر بڑا رنج ہوا۔خدا مرحومہ کو بخش دے، خط ارسال ہے۔

اعظم خاں صدیقی، ھنڈواڑہ۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اساتذہ وطلباء نے جلسہ منعقد کیا اور وہ سب بی اماں محترمہ کے انتقال پرملال پر اظہار رنج وغم کرتے ہیں اور مرحومہ کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ برادرانہ پیام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ ہمدردی قبول فرمایئے۔ شیخ الجامعہ۔علی گڑھ۔

دفتر خلافت کے ملازمین دلی ہمدردی کا اظہار رتے ہیں، اور مرحومہ کی مغفرت کے لیئے دعا کرتے ہیں۔ خلافت، بمبئی۔

انتقال کی خبرسن کر بڑا صدمہ ہوا۔ خدا مرحومہ کو بہشت نصیب کرے۔ میں فوراً آرہا ہوں۔ معظم علی مرادآباد۔

آپ کے اپنے اس غم میں اور متحدہ ہندوستان کے اس نا قابل تلافی نقصان میں میرا دلی پیام ہمدردی براہ عنایت قبول کیجئے۔ علی گل خاں۔پشاور۔

بی اماں کے انتقال پر ملال کی خبرابھی پڑھی مجھے آپ کے ساتھ نہایت ہمدردی ہے۔ فضل بھائی کریم بھائی۔بمبئی۔

تمام ہندوستان اس ماں کے انتقال کے غم میں شریک ہے جس نے دو بہادر بچے پیدا کیئے وہ ہمارے دلوں کے ابھارنے کا ذریعہ تھیں۔ میں بلگام کی طرف سے تعزیت کا اظہار کرتا ہوں۔ گنگادھر راؤ وشپانڈے۔بلگام۔

آپ کے اس غم میں شریک ہوں، دلی ہمدردی قبول ہو۔ قاسم حسن، اورنگ آباد۔

بی اماں کے انتقال کی خبرسن کر صدمہ ہوا۔ یہ نقصان سارے ہندوستان کا ہے۔تعزیت کا پیام بقبول کیجئے۔ اے رنگاسوامی آینگر۔مدراس۔

بی اماں کے انتقال پر خلوص آمیز ہمدردی اور تعزیت قبول کیجئے۔ موتی لال نہرو۔الہ آباد۔

بی اماں کے کے انتقال پر بڑا افسوس ہوا۔ خدا آپ کو اس غم کے برداشت کرنے کی قوت عطا فرمادے اور مرحومہ کو مغفرت نصیب کرے۔ جسونت پرشاد ڈیسائی، بمبئی۔

دلی ہمدردی قبول فرمائیے نا قابل تلافی نقصان ہوا ہے، پروردگار عالم آپ کو اور مولانا محمد علی صاحب کو صبر عطا فرمائے۔ عابد، بھیکم پور، علیگڑھ۔

بی اماں کے انتقال پر مین آپ کے اس رنج وغم میں شریک ہیں۔ایک بڑی ذات تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو ہم سے جدا ہوگئی۔ عامر مصطفیٰ خاں معین، علی گڑھ

انتقال کی الم انگیز خبر اخبارات میں پڑھی۔ میں آپ کے غم میں شریک ہوں۔ خدا آپ دونوں کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین مسز و مسز حسین۔ بمبئی

بی اماں کے انتقال کی خبر سن کر صدمہ ہوا۔ براہ عنایت دلی ہمدردی قبول ہو۔ شعیب قریشی بمبئی

افسوس ہے کہ یہ پیام ہمدردی پیش کرنے کی نوبت آئی۔ آپ کے اس رنج واندوہ میں تمام اسلامی ہند شریک ہیں۔ سید لال بادشاہ۔ پشاور

آپ کے خاندان اور ہندوستان کے ناقابل تلافی نقصان پر میں ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں۔ میری محبت کرنے والی اماں کا بھی ابھی انتقال ہوا ہے، امید ہے کہ محمد اس نئے صدمہ کو بہادری سے برداشت کریں گے۔ خدا ہم سب کی مدد کرے۔ ڈاکٹر سید محمود، چھپرا

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر کے عملے کی طرف سے مودبانہ اور خلوص آمیز ہمدردی قبول فرمائے۔ رگھوپتی سہارے وراجہ رام۔ الہ آباد

بی اماں کے انتقال سے بڑا رنج ہوا۔ ان کا انتقال عظیم قومی نقصان ہے۔ اللہ اکبر۔

سری نواس۔ آئنگر۔ مدراس

بی اماں کے انتقال پر ملال پر دلی ہمدردی قبول کیجئے۔ عمر بھائی، حامد بھائی، بمبئی

بی اماں کا انتقال نہایت رنج کا باعث ہوا۔ خدا ان کی مغفرت کرے۔ وکیل احمد، رائپور

آپ کے قابل احترام ماں کی پر الم خبر موت سن کر افسوس ہوا۔ خدا ان کی روح کو جوار رحمت میں جگہ دے۔ آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ یشیو پرشاد گپتا۔ بنارس

محترم بی اماں کے انتقال پر بڑا صدمہ ہوا۔ آپ کے اس رنج و غم میں مجھے آپ کے ساتھ پوری ہمدردی ہے۔ آپ اتنی زبردست ارادی قوت و قومی کاموں کے ساتھ انتہائی لگاؤ رکھنے والی خاتون کا بدل ملنا ناممکن ہے۔ سیٹھ جمال محمد، مدراس

آپ کے اس پر الم غم میں مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے بی اماں کے انتقال سے ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قومی و اسلامی نقصان ہوا ہے۔ خدا ان کی قربانیوں اور ان کی اعلیٰ خدمات کو خدا کے لئے سچے کام کرنے والوں کے لئے ہمیشہ جوش اور ہمت دلانے کا باعث بنائے۔

سیٹھ حاجی عبداللہ ارون، کراچی

بی اماں کے انتقال کی خبر اسلام کے اس نازک موقعہ پر سن کر سخت صدمہ ہوا۔ میری طرف سے دلی تعزیت قبول فرمائے یہ صدمہ نہ صرف آپ کے اوپر پڑا ہے بلکہ اس میں تمام فرزند ان اسلام شریک ہیں بعد نماز غائبانہ ادا کی گئی اور مغفرت کے لئے دعا مانگی گئی۔

تھمبی سا۔ کریکال

ام الاحرار کے انتقال پر تعزیت قبول ہو۔ یہاں تمام مساجد میں مغفرت کے لئے دعائیں مانگی گئیں۔ مولانا حبیب الرحمٰن، لدھیانہ

آپ اور آپ کے برادر معظم آپ کی والدہ محترمہ کے انتقال پر میرا پیام تعزیت قبول فرمائیں۔ مسٹر سی وائی چنتا منی، ایڈیٹر لیڈر الہ آباد سابق وزیر گورنمنٹ (صوبہ متحدہ) (۳۲)

اخبارات کی طرف سے تعزیت

ہم مولانا محمد علی صاحب اور مولانا شوکت علی صاحب کی خدمت میں جو انہیں ان کی والدہ محترمہ کے انتقال پر جنہوں نے تحریک خلافت کے لئے انتھک کوشش کی اور جو بہتوں کے لئے اس تحریک میں شریک کار تھے ہمت دلانے کا باعث ہوئی تھیں۔ ان کے رنج و غم میں تعزیت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ لیڈر، الہ آباد

مولانا علی اور مولانا شوکت علی کی قابلیت والوالعزمی اور جاں نثاری کے کارناموں سے دنیا حیران تھی، لیکن اس کا راز اس وقت عالم آشکار ہوا۔ جب وہ نظر بند تھے۔

اپنے جلیل القدر فرزندوں کی نظر بندی کے زمانہ میں آپ ملکی و قومی خدمت میں مصروف ہوگئی تھیں۔

اسیران کراچی کی رہائی کے بعد اس الوالعزم خاتون نے اپنے بہادر فرزندوں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معیت میں نہ صرف ہندوستان بھر کا دورہ کیا بلکہ لنکا کی دور دراز سرزمین میں بھی آزادی وحب الوطنی کی تبلیغ واشاعت کے لئے سفر کی صعوبت برداشت کی۔

ام الاحرار کی وفات سے نہ صرف علی برادران اور ایک شفیق ماں کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے ہیں، بلکہ اس سے ہندوستان کی تحریک آزادی کو ناقابل تلافی صدمہ پہنچا ہے۔انہوں نے ہندوستانی خواتین اور خصوصاً مسلمان مستورات میں جو ملکی وقومی معاملات سے قطعاً بے بہرہ تھیں۔ بیداری کا نتیجہ خیز احساس پیدا کردیا ہے۔ وہ ہمارے دلوں میں ہمیشہ کے لئے ان کی غیر فانی یادگار قائم رکھے گا۔

حق یہ ہے کہ ایسی الوالعزم حب وطن حامی صداقت سرفروش اور جانباز خواتین زمانہ ہمیشہ پیدا نہیں کرتا، اور ہندوستان اس نیک نہاد خاتون کا مدت العمر تک ماتم قائم رکھے گا۔

تنظیم، امرتسر

یہ خبر ہندوستان کے طول وعرض میں انتہائی تحسر وتالم سے سنی جائیگی کہ مولانا شوکت و مولانا محمد علی کی والدہ محترمہ نے اس دار فانی سے رحلت کی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

محترمہ مرحومہ نے اگرچہ تقریباً عمر طبعی تک پہنچ کر داعی اجل کو لبیک کہا۔لیکن یہ حقیقت ہے کہ موجودہ ہندوستان کے عالم نسواں میں ایسی مردانہ سرشت اور حساس طبع خاتون چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتی، بہر کیف دنیا گذشتنی ہے کوئی ہزار سال بھی جئے تاہم موت ناگزیر ہے۔

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشد ☆ ز جام دہر مئے کل من علیہا فان

وکیل، امرتسر

بی اماں کے انتقال پر ہمارے ہندوستان میں نہایت رنج محسوس کیا جائے گا۔ ان کی حب الوطنی، اسلام سے محبت اور اعتقاد کی پختگی نہ صرف ان کے لڑکوں کے لئے جن کو انہوں نے تعلیم دی تھی، بلکہ دوسروں میں بھی خواہ ہندو ہوں یا مسلمان جوش وہمت کے پیدا کرنے کا باعث ہوئی۔ یہ ان کی دلی تمنا تھی کہ وہ اپنی حیات میں سوراج حاصل کرلیں جس کے لئے انہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت کی زیادتیوں کا ہمیشہ مقابلہ کیا اور ہندو مسلم اتحاد کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں، بہر حال انہوں نے اپنے بعد ایک ایسی مثال چھوڑی ہے جو ہندوستانی خواتین اور خصوصاً آزادی ہند کے لئے کارآمد ہوگی۔(۳۳)

حواشیہ وحوالہ جات

۱۔ جعفری، رئیس احمد، چند اہم خطوط، ادارہ اشاعت اردو، حیدرآباد دکن انڈیا، ص ۱۷

۲۔ عثمانی، صابر ارشاد، مولانا محمد علی جوہر، ۲۰۰۷ء، ص ۸۳

۳۔ عثمانی، صابر ارشاد، مولانا محمد علی جوہر، ص ۸۱

۴۔ اختر النسا محمد توفیق، تحریک خلافت اور اردو، اردو رائٹرز گلڈ بمبئی، ۲۰۰۵ء، ص ۸۰

5- The Pioneer December 29, 1924 see also Ibid. Shan Muhammad p.254.

۶۔ عبدالماجد دریابادی، محمد علی ذاتی ڈائری کے چند ورق، حصہ اول، مطبوعہ معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۵۴ء، ص ۱۴۷

۷۔ صدیقی، ڈاکٹر ظہیر علی، مولانا محمد علی اور جنگ آزادی، سندھ ساگر اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۴۵

۸۔ بی اماں کا نام آبادی بانوں بیگم تھا۔ ان کی اولادیں انہیں بہو کہتی تھیں، اس سلسلے میں مولانا شوکت علی نے لکھا ہے:

> بی اماں! جن کو ہم سب بچے 'بہو' کہتے تھے۔ اس وجہ سے کہ چونکہ ہمارے دادا کی سب سے چھوٹی بہو تھیں۔ سب بہو بہو کہہ کر پکارتے تھے، اور ہم بھی بہو ہی کہتے تھے۔ 'بی اماں' کا نام 'بی اماں' میرے بیٹوں اور خلافت کے کام کرنے والوں نے رکھا تھا۔ یہ نام حامیان خلافت اور عام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کی خواہش کے مطابق رکھا کہ انہوں نے ان کو اماں بنایا۔ (جامعہ مولانا محمد علی نمبر حصہ دوئم، جنوری و فروری، ۱۹۸۰ء بحوالہ:
روز نامہ خلافت مورخہ ۲۹رجون ۱۹۶۷ء آپ بیتی، از محمد علی

۹۔ روز نامہ ہمدرد، ۱۷رجون ۱۹۲۷ء آپ بیتی، از محمد علی،

۱۰۔ نخبۃ التواریخ، مولانا سید آل حسن صاحب عمدۃ المطابع، امروہہ، ۱۸۸۰ء، ص ۱۱۳

۱۱۔ العباسی، محمد احمد الہاشمی العباسی، تاریخ امروہہ، ص ۶۴، تجلی پرنٹنگ ورکس، دہلی، یکم اپریل ۱۹۳۰ء

۱۲۔ شوق، حافظ احمد علی، تذکرہ کاملان رام پور، ہمدرد پریس، مارچ ۱۹۲۹ء، ص ۱۳۱

۱۳۔ العباسی، محمد احمد الہاشمی، تاریخ امروہہ، ص ۶۵، یکم اپریل ۱۹۳۰ء

۱۴۔ صدیقی، ڈاکٹر ظہیر علی، مولانا محمد علی جوہرؒ، ص ۱۲۱

۱۵۔ شوق، حافظ احمد علی، تذکرہ کاملان رام پور، ص ۱۳۱، ۱۹۲۹ء

☆ راوی خاتون بیگم بنت امتیاز علی، خاتون بیگم، متوفی ۲۷، رجب ۱۲۹۵ھ، ۷راگست ۱۹۷۵ء، کراچی

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۳۱

۱۷۔ ہمدرد، ۱۷رجون ۱۹۲۷ء

۱۸۔ بی اماں کے خطوط میں تحریر ہے:
ہمارے قانونی مشیر مسٹر گھاٹے جو از راہِ شفقت ہماری خط و کتابت کا فرض انجام دیتے ہیں۔ چند اہم خطوط: انجمن اعانت نظر بندان اسلام بتاریخ ۱۱ردسمبر ۱۹۱۷ء، ص ۵، پہلا ایڈیشن، بنام مسز بیسنٹ،
بی اماں کے خط میں تحریر ہے: یہ خط میں نے مسٹر گھاٹے کی مدد سے لکھا ہے، ایضاً، ص ۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۹۔ چند اہم خطوط، ص ۲۷، انجمن نظر بندان اسلام، دہلی پہلا ایڈیشن
۲۰۔ مولانا محمد علی کے چچازاد بھائی
۲۱۔ ماہنامہ جامعہ مولانا محمد علی نمبر حصہ اول، ۱۹۷۸ء، ص ۱۳، مولانا کی آپ بیتی،
۲۲۔ ایضاً
۲۳۔ ہمدرد: ۱۷: جون ۱۹۲۷ء
۲۴۔ چند اہم خطوط: ص ۶۹
۲۵۔ ایضاً: ص ۱۵۔۱۶
۲۶۔ ایضاً، ص ۱۷
۲۷۔ ایضاً، ص ۸
۲۸۔ ہمدرد: یکم دسمبر ۱۹۲۶ء مضامین محمد علی: محمد سرور، مکتبہ جامعہ، دہلی، ص ۸۳
۲۹۔ ایضاً
۳۰۔ صدیقی، ڈاکٹر ظہیر علی، مولانا محمد علی جوہر، ص ۱۳۲
۳۱۔ صدیقی، ڈاکٹر ظہیر علی، مولانا محمد علی جوہر، ص ۱۳۲
۳۲۔ صدیقی، ڈاکٹر ظہیر علی، مولانا محمد علی جوہر، ص ۱۳۵ تا ۱۳۷
۳۳۔ صدیقی، ڈاکٹر ظہیر علی، مولانا محمد علی جوہر، ص ۱۳۷ تا ۱۳۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا محمد علی جوہرؒ

پر معلومات عامہ کے فروغ کے حوالہ سے طلباء کے لئے کوئز مقابلہ

مرتب: پروفیسر سید شعیب اختر

صدر شعبہ پاکستان اسٹڈیز قائدملت گورنمنٹ ڈگری کالج لیاقت آباد

۱۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کب اور کہاں پیدا ہوئے؟	رام پور، ہندوستان ۱۸۷۸ء
۲۔	مولانا محمد علی جوہرؒ ہندوستان کے کس شہر میں پیدا ہوئے؟	رام پور
۳۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کے والد کا نام کیا تھا؟	مولانا عبدالعلی خاں
۴۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کی والدہ کا نام بتایئے؟	آبادی بیگم
۵۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کی والدہ تاریخ پاک و ہند میں کس نام سے مشہور ہوئیں؟	بی اماں
۶۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کی خاص وجہ شہرت بیان کریں؟	تحریک خلافت
۷۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کے کتنے بھائی تھے؟	۵ بھائی
۸۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کی کتنی بہنیں تھیں؟	ایک ہمشیرہ
۹۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کے والد کا انتقال کس سن میں ہوا تھا؟	۱۸۸۰ء
۱۰۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کس عمر میں والد کے سایہ سے محروم ہو گئے تھے؟	۲ سال
۱۱۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کے بھائی کا کیا نام تھا؟	مولانا شوکت علی
۱۲۔	مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا شوکت علی کیا دونوں سگے بھائی تھے؟	جی ہاں
۱۳۔	مولانا محمد علی جوہرؒ اور شوکت علی میں سے عمر میں بڑے کون تھے؟	مولانا شوکت علی
۱۴۔	مولانا محمد علی جوہرؒ اور ان کے بھائی شوکت علی کس نام سے تاریخ کے صفحات میں مشہور ہیں؟	تحریک خلافت (علی برادران)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۵۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے تحریک خلافت کب شروع کی تھی؟	۱۹۱۹ء
۱۶۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کی ابتدائی تعلیم کا سلسلہ کہاں سے شروع ہوا تھا؟	رام پور کے مدرسہ سے آغاز
۱۷۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے علی گڑھ کا سفر کس عمر میں کیا تھا؟	۱۲ سال
۱۸۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کے بھائی شوکت علی کس درس گاہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے؟	علی گڑھ
۱۹۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے علی گڑھ کے کس ادارے میں داخلہ حاصل کیا تھا؟	محمڈن اینگلو اورینٹل کالج
۲۰۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کتنے سال تک محمڈن اینگلو اور کالج سے تعلیم حاصل کرتے رہے؟	۸ سال
۲۱۔	مولانا محمد علی جوہرؒ محمڈن اینگلو اورینٹل میں کتنے سال تک طالب علم رہے؟	۱۸۹۰ء سے ۱۸۹۸ء
۲۲۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے بی اے کا امتحان کس عمر میں پاس کیا تھا؟	۲۰ سال
۲۳۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کس امتحان میں پورے صوبہ میں اوّل درجے میں پاس ہوئے تھے؟	بی اے B.A
۲۴۔	مولانا محمد علی جوہرؒ B.A کا امتحان پاس کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے کس ملک گئے تھے؟	انگلینڈ
۲۵۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے انگلینڈ کی کس یونیورسٹی سے اپنی تعلیم کو مکمل کیا تھا؟	آکسفورڈ یونیورسٹی
۲۶۔	مولانا محمد علی جوہرؒ انگلینڈ سے ہندوستان کب تشریف واپس لائے تھے؟	۱۹۰۲ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۷۔	مولانا محمد علی جوہرؒ ۱۹۰۲ء میں کس ہائی اسکول میں پرنسپل تعینات ہوئے؟	رام پور کے ہائی اسکول
۲۸۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کس ہندوستانی ریاست کے چیف ایجوکیشن افسر مقرر ہوئے تھے؟	رام پور انڈیا
۲۹۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے ریاست بڑودہ میں کس محکمہ میں تعینات ہوکر اپنی ذمہ داریاں ادا کیں؟	محکمہ ڈرگ (افیون)
۳۰۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے کس سال تک اپنی ملازمت کا سلسلہ جاری رکھا؟	۱۹۱۰ء
۳۱۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے ملازمت سے استعفیٰ دے کر کس پیشے کو اپنا مقصد حیات بنایا؟	صحافت (انگریزی)
۳۲۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے اپنا انگریزی اخبار ہندوستان کے کس شہر سے جاری کیا تھا؟	کلکتہ
۳۳۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے انگریزی اخبار کس نام سے اور کس تاریخ کو جاری کیا تھا؟	کامریڈ، ۱۴ جنوری ۱۹۱۱ء
۳۴۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کا انگریزی اخبار کامریڈ کس ملک میں تحفتہً جایا کرتا تھا؟	برطانیہ
۳۵۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے کلکتہ سے اخبار کامریڈ دفتر کس ہندوستانی شہر میں منتقل کیا تھا؟	دہلی
۳۶۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے کس اردو روزنامہ کا اجراء کیا تھا؟	ہمدرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۷۔	مولانا محمد علی جوہر کا روزنامہ ہمدرد کس سال سے اور کس ماہ میں جاری ہونا شروع ہوا؟	فروری ۱۹۱۲ء
۳۸۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے ترک مسلمانوں کی حمایت میں کامریڈ میں کس موضوع پر تنقیدی اداریہ تحریر کیا تھا؟	Choice of Turks
۳۹۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کے اخبار کامریڈ پر پابندی کس مضمون کی اشاعت کی وجہ سے لگائی گئی تھی؟	Choice of Turks
۴۰۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے اپنی سوانح حیات کس عنوان کے تحت تحریر کی ہے؟	My life of Fregment
۴۱۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے کہا تھا کہ ایک سچا مسلمان سچا.......... ہوا کرتا ہے؟	محب وطن
۴۲۔	مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا شوکت علی کے بارے میں گاندھی کیا کہا کرتا تھا؟	میں علی برادران کی جیب میں ہوں
۴۳۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کی زوجہ کا نام بتایئے؟	امجدی بیگم
۴۴۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے ہندوستان کی کس یونیورسٹی سے کون سا امتحان دیا تھا جس میں ناکام ہوگئے؟	الہ آباد یونیورسٹی L.L.B
۴۵۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے مسلم لیگ ۱۹۰۶ء کے قیام کی تاریخی واقعات کو کس نام سے قلمبند کیا تھا؟	گرین بک
۴۶۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے کیا ۱۹۰۶ء کے مسلم لیگ کے قیام کے جلسہ عام میں شرکت کی تھی؟	جی ہاں
۴۷۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کے بڑے بھائی کا کیا نام تھا؟	ذوالفقار علی
۴۸۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کو کس جیل میں نظر بند کیا گیا تھا؟	مہرولی اور چھندواڑہ جیل
۴۹۔	مولانا محمد علی جوہرؒ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کب مقرر ہوئے؟	ستمبر ۱۹۱۷ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۰۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کو جیل میں رہائی کب حاصل ہوئی؟	۱۹۱۹ء
۵۱۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کا والہانہ اور پرتپاک استقبال کس کانگریسی اجلاس میں کیا گیا؟	امرتسر اجلاس
۵۲۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے خلافت کانفرنس کی کون کون سی صدارت فرمائی؟	فروری ۱۹۲۱ء لکھنؤ کراچی ۱۹۲۱ء
۵۳۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے کون سی یونیورسٹی قائم کی تھی؟	مسلم نیشنل یونیورسٹی
۵۴۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کے قائم کردہ یونیورسٹی آج کس نام سے مشہور ہے؟	جامعہ ملیہ اسلامیہ
۵۵۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے مسلم نیشنل یونیورسٹی کس سال میں قائم کی تھی؟	اکتوبر ۱۹۲۰ء
۵۶۔	مولانا محمد علی جوہرؒ اور کانگریس کے درمیان اختلافات کب سے شروع ہوئے؟	۱۹۲۵ء
۵۷۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کو نقیب ہمدرد کا لقب کب ملا؟	۲۳ فروری ۱۹۱۳ء
۵۸۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے کس موقعہ پر اور کب خودکشی کا ارادہ کیا تھا؟	جنگ بلقان کے موقع پر ۱۹۱۲ء
۵۹۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کی دختر نے کب وفات پائی تھی؟	۱۱ مارچ ۱۹۲۴ء
۶۰۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کا اخبار کامریڈ مستقل طور پر کب بند کر دیا گیا تھا؟	۲۲ جنوری ۱۹۲۶ء
۶۱۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے خود کو بحیثیت مدیر ہمدرد سے کب علیحدہ کر لیا تھا؟	۱۱ مئی ۱۹۲۸ء
۶۲۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے انگریزوں کی نوکری کو کب اور کہاں کے جلسہ عام میں حرام قرار دیا تھا؟	کراچی کی عیدگاہ ۱۱ جولائی ۱۹۲۱ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۶۳۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کے خلاف مقدمہ کراچی کا آغاز کب ہوا تھا؟	۲۴ اکتوبر ۱۹۲۱ء
۶۴۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کانگریس کے صدر کس سال منتخب ہوئے تھے؟	ستمبر ۱۹۲۳ء
۶۵۔	مولانا محمد علی جوہر کو کانگریس کا صدر کس اجلاس میں بنایا گیا تھا؟	اجلاس کوکناڈا
۶۶۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے برما کا دورہ کس سال کیا تھا؟	۱۹۲۹ء
۶۷۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کی بیماری کس سال شدت اختیار کر گئی تھی؟	۱۹۳۰ء
۶۸۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے شملہ کے کس اسپتال میں علاج کرایا تھا؟	شملہ کے برٹش اسپتال
۶۹۔	مولانا محمد علی جوہرؒ لندن گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے کب تشریف لے گئے؟	جون ۱۹۳۰ء
۷۰۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے لندن گول میز کانفرنس میں کیا تاریخی الفاظ ادا کئے تھے؟	میرے وطن کو آزادی دی جائے ورنہ مجھے قبر کی جگہ دی جائے
۷۱۔	مولانا محمد علی جوہرؒ نے کب وفات پائی تھی؟	۴ جنوری ۱۹۳۱ء
۷۲۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کا انتقال لندن کے کس ہوٹل میں ہوا تھا؟	ہائیڈل ہوٹل پارک لندن
۷۳۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کی نماز جنازہ کس تاریخ اور کس وقت ادا کی گئی تھی؟	۵ جنوری ۱۹۳۱ء پڈنگٹن ٹاؤن ہال ۶ بجے شام
۷۴۔	مولانا محمد علی جوہرؒ کو کس مقدس مقام پر دفن کیا گیا؟	بیت المقدس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ریسرچ اسکالر سے درخواست

محترم المقام

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں کہ پاکستان میں صحیح معنوں میں اسلامی تحقیقی مجلات کی کمی محسوس کی جارہی تھی۔ جدید دور نے اہل علم کے سامنے متعدد نئے مسائل پیش کیے ہیں اور وقت کا تقاضہ ہے کہ ماہرین اسلام ان مسائل کا حل تلاش کریں اس بارے میں علمی اور تحقیقی مضامین لکھ کر علمی حلقوں میں شعور وآگہی کو فروغ دیں۔

ششماہی علوم اسلامیہ انٹرنیشنل ایک باقاعدہ ادارتی مجلس کے تحت چلایا جا رہا ہے جس میں قومی اور بین الاقوامی سطح کے جید علماء ڈاکٹرز پروفیسرز اور دانشور خواتین وحضرات شامل ہیں۔ صرف وہی مضامین شائع کیے جائیں گے جن کو ریفری وجج صاحبان کی منظوری حاصل ہوگی۔

اغراض ومقاصد اور مجوزہ عنوانات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

- قرآن وعلوم القرآن کی نشرواشاعت۔
- دور حاضر میں اجتماعی اجتہاد کے تصور کی روشنی میں مسائل کا علمی جائزہ۔
- امت مسلمہ کو درپیش مسائل کا شرعی حل سیرت طیبہؐ کی روشنی میں تلاش کرنا۔
- سائنس اور ٹیکنالوجی سے پیش شدہ مسائل کا جائزہ۔
- اسلامی اقتصادی نظام کی طرف ممکنہ پیش رفت۔
- نصاب تعلیم کو بہتر بنانے کے اور اساتذہ کی تدریسی ذمہ داریوں کو بہتر بنانے کے لئے سفارشات۔
- انسانی حقوق کے نفاذ میں موانع کا تعین اور انہیں دور کرنے کے لئے تجاویز۔
- دعوت وتبلیغ کا شرعی طریقہ کار اور وقت کے تقاضوں کے موافق ضروری مسائل وواقعات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر بحث۔

- علوم اسلامیہ کی اشاعت و ترویج اور اسلامی نظام تعلیم و تربیت پر ضروری مباحث ان پر سیمینار و کانفرسوں کا انعقاد پھر ان کی اشاعت۔
- عصری و دینی علمی اداروں کے مناہج پر بحث۔
- اساتذہ کے حقوق و فرائض۔

مجلّہ میں حواشی اور حوالہ دینے کا مجوزہ منہج

علمی اور تحقیقی مضمون لکھتے وقت اس اَمر کا اہتمام ضروری ہے کہ قاری کو تحریری کاوش کے مآخذ اور مصادر سے آگاہ کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے کہ مضمون کے آخر میں ترتیب کے ساتھ حوالہ جات کا مکمل ذکر کیا جائے اور اگر مناسب ہو تو مزید توضیحی نکات کا اندراج بھی کیا جائے۔ علوم اسلامیہ کی مجلس ادارت نے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل منہج تجویز کیا ہے۔ محققین اور مضمون نگار حضرات سے درخواست ہے کہ اپنی تحریری کاوش ارسال کرتے وقت اسی منہج کو پیشِ نظر رکھیں تاکہ مضامین میں یکسانیت برقرار رہے۔

1- اگر کسی کتاب کا حوالہ دینا ہے جس کا ایک ہی مصنف/مؤلف ہے تو مصنف/مؤلف کا پہلے سرنیم پھر بقیہ نام لکھیں

اس کے بعد کتاب کا نام اس کے بعد مطبع اور سن اشاعت اور پھر صفحہ نمبر کا اندراج کیا جائے صفحہ/صفحات کیلئے "ص" بطور مخفف استعمال کیا جائے۔ مثلاً:

دریا آبادی، مولانا عبدالماجد، سیرت نبوی ﷺ قرآنی. مکہ. بکس بیرون موچی دروازہ، لاہور ۱۹۸۸، ص ۷۸.

مصنف، کتاب اور دیگر جدا جدا مطلوبہ معلومات کے درمیان سکتہ (comma) کا اہتمام ضروری ہے تاکہ کسی قسم کا ابہام پیدا نہ ہو تاہم یہ بات ذہن میں رہے کہ لاہور اور ۱۹۸۸ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درمیان اور ص ۸ ے کے درمیان سکتہ کی ضرورت نہیں حوالہ کی تکمیل کے بعد ختمہ (full stop) ڈال دیا جائے اگر مصنف / مؤلف کا نام یا سال اشاعت معلوم نہ ہو تو لکھا جائے کہ مصنف / مؤلف نامعلوم یا مطبع / سال اشاعت نامعلوم۔

2- اگر مصنف / مؤلف ایک سے زیادہ ہوں تو دونوں مصنفین / مؤلفین کے ناموں کا اندراج اسی ترتیب سے ضروری ہے جس ترتیب سے ان کا ذکر کتاب کے سرورق پر کیا گیا ہے۔ اگر مصنفین / مؤلفین دو سے زیادہ ہوں تو صرف دو اوّل الذکر کا اندراج کافی ہے اور اس کے بعد اور دیگر کے الفاظ کا اضافہ کیا جائے البتہ پہلا نام لکھتے ہوئے سر نام پہلے لکھیں

3- اُردو اور عربی میں عام طور پر طویل القابات کا رواج ہے۔ لیکن حواشی میں اس کو نظر انداز کرنا بہتر ہے تاہم اگر مصنف / مؤلف کی شہرت کسی خاص لاحقے / سابقے / کنیت / لقب کی وجہ سے ہے تو اس کے ساتھ اس اصل غیر معروف نام کو بین القوسین درج کیا جائے مثلاً: ابن اثیر (عزالدین علی بن محمد)

4- اگر کسی ایسی کتاب سے مدد لی گئی ہے جس میں مختلف محققین / مضمون نگاروں کے مضامین شامل ہیں اور کسی شخص نے ان مضامین کی ترتیب، تہذیب اور تدوین کی ہے تو اس کا حوالہ دیتے وقت مضمون نگار کا نام لکھتے، پہلے سرنیم یعنی نام کا آخری حصہ لکھیں، اس کے بعد اس کے مضمون کا عنوان اور پھر مجموعہ کا عنوان

اور اس کے مدون کا ذکر کرنا چاہیئے۔ مثلاً:

کوثر، ڈاکٹر انعام الحق، نصابی کتب کی فنی تدوین، اُردو میں فنی تدوین، تہذیب وترتیب: ڈاکٹر ایم ایس ناز، ادارہ تحقیقات اسلامی ومقتدرہ قومی زبان ۱۹۹۱، ص ۹۸ تا ۱۱۰۔

(اس کا مطلب ہے ایم ایس ناز کی زیر تہذیب مدوّن کتاب اردو میں فنی تدوین میں ڈاکٹر انعام الحق کوثر کا مضمون بعنوان نصابی کتب کی فنی تدوین شامل ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

5- اگر کسی مجلّے سے مضمون کا حوالہ دینا ہے تو اس کے لئے بھی نمبر 4 کے تحت مذکورہ طریقہ اختیار کیا جانا چاہیئے ۔ مجلّہ کا نمبر اشاعت اور ماہ وسال اشاعت کا ذکر ضروری ہے ۔ جلد کے لئے ج اور شمارہ کے لئے ش بطور مخفف استعمال کیا جائے ۔ مثلاً:

شامزئی، مفتی نظام الدین ، فن اسماء رجال مسلمانوں کا عظیم کارنامہ، ماھنامہ الحق اکوڑہ خٹک ، ج۲۸ ش ۲ ، نومبر ۱۹۹۲ ، ص ۳۸ تا ۳۹

(اس کا مطلب ہے ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک جلد ۲۸، شمارہ ۲، نومبر ۱۹۹۲ء میں مفتی نظام الدین شامزئی کا مضمون بعنوان: فن اسماء رجال مسلمانوں کا عظیم کارنامہ)۔

6- اگر ایک ہی مأخذ سے بار بار استفادہ کیا گیا ہو تو پہلے حوالے میں اس کا مکمل ذکر ضروری ہے تاہم بعد کے حوالہ جات میں صرف مصنف/ مؤلف اور کتاب کا نام کافی ہے یہی طریقہ مجلّہ میں شائع شدہ مضمون کے سلسلہ میں اختیار کیا جانا چاہیے ۔ یہ طریقہ اس لئے مناسب ہے کہ اس طرح ایک تو قاری کو بار بار پہلے دیئے گئے حوالے کی طرف رجوع نہیں کرنا پڑتا دوسرے اگر ایک ہی مصنف/ مؤلف کے ایک سے زیادہ مضامین سے استفادہ کیا گیا ہے تو قارئین کو ان کے درمیان ابہام سے بچایا جاسکتا ہے مثلاً:

دریا آبادی، مولانا عبدالماجد ، سیرت نبوی قرآنی ، ص ۱۸۲ ۔

ایک ہی مأخذ کے مسلسل حوالوں کے اندراج میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے ۔ مزید آسانی کے لیے مصنف کا فقط سر نیم بھی استعمال کیا جاسکتا ہے مثلاً:

دریا آبادی ، سیرت نبوی قرآنی ص/ ۲۵

بعض محققین اس قسم کی صورت میں بعد کے حوالہ جات کے لئے کتاب کے عنوان کے ذکر کے بجائے مصدر بالا/ مصدر مذکور کے الفاظ کا اندراج بھی کرتے ہیں ۔

7- قرآن پاک کا حوالہ دیتے وقت سورت کا نام اور آیت نمبر دینا ضروری ہے ۔ دونوں کے درمیان سکتہ (comma) آنا چاہیئے فقط سورت کا نام اور آیت نمبر بھی لکھا جاسکتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً:

القرآن الکریم ، البقرة ، ۱۸

اس میں صفحہ نمبر یا مطبع دینے کی ضرورت نہیں دیگر مقدس کتب کے بارے میں بھی اسی قسم کا طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے یعنی صفحہ یا مطبع کا ذکر کرنے کے بجائے محض باب وغیرہ کا اندراج کیا جائے۔

8- احادیث کے کسی مجموعے سے حوالہ دیتے وقت مؤلف/ مدوّن کا نام یا سر نیم، اس کے بعد مجموعے کا نام اور پھر متعلقہ حدیث کا باب، فصل وغیرہ کا اندراج کیا جائے مثلاً:

امام مسلم (مسلم بن حجاج) ، الجامع الصحیح ، مکتبہ الغزالی، دمشق ، سال اشاعت نامعلوم، ج ۸، ص ۵۱، کتاب الزکوٰۃ۔

احادیث کے بعض جدید مطبوعہ مجموعوں میں ہر حدیث کے ساتھ نمبر کا اندراج کیا جاتا ہے۔ اگر مضمون نگار کے پاس اس قسم کا ایڈیشن موجود ہے تو دیگر معلومات کے ساتھ فقط مصنف کا مکمل نام یا سر نیم پھر کتاب کا نام اس کے بعد باب اور فصل کا عنوان پھر حدیث نمبر دے دینا بھی کافی ہوگا۔

9- فقہی مسائل میں کتب کا حوالہ دیتے وقت مسئلہ زیر بحث کے ساتھ متعلقہ کتاب، باب اور فصل کا حوالہ قاری کے لئے مزید سہولت فراہم کرتا ہے۔ اس لئے اس کے اندراج کا اہتمام کیا جانا چاہئے مثلاً:

ابن نجیم (الشیخ زین الدین) ، البحر الرائق شرح کنز الدقائق ، مکتبة رشیدیہ کوئٹہ ، سال اشاعت نامعلوم ، ج ۱ ، ص ۲۸۸ ، کتاب الصلوٰۃ، باب الاذان۔

10- تاریخ سے متعلق مأخذ سے بھی حوالہ دیتے وقت مطبع اور سال اشاعت کے علاوہ زیر بحث عنوان کے الفاظ کے تحت مزید وضاحتی معلومات کے اندراج کا اہتمام کیا جانا چاہیئے مثلاً:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن جریر طبری (محمد بن جعفربن محمد) تاریخ الامم والملوک ، مطبعة حسينية مصر، سال اشاعت نامعلوم ، ج ٥ ، ص ٢٣، زیر عنوان: ذکرسبب مهلک زیادبن سمیة ، وقائع سنة ثلاث وخمسین۔

11- لغت یا کسی موسوعة (Encyclopaedia) کا حوالہ دیتے وقت صفحہ اور ایڈیشن کا ذکر ضروری نہیں اگر دیا جائے تو بہتر ہے موسوعہ کی صورت میں اسکے ٹائٹیل (title) اور مضمون کے عنوان اور مصنف کے بارے میں معلومات دینا ضروری ہیں۔ لغات سے استفادہ کی صورت میں اس کے مصنف/مدوّن اور لفظ کے مادّہ کا ذکر کافی ہے۔ مثلاً

عبد القیوم ، جرش ، اُردو دائرة معارف اسلامیة۔

(یعنی اُردو دائرہ معارف اسلامیہ میں جرش کے عنوان کے تحت عبدالقیوم کا تحریر کردہ مضمون)

بلیاوی، مولانا عبدالحفیظ ، مصباح اللغات، مادّہ عَنِقَ۔

12- اگر کسی ایم اے/ایم فل/ پی ایچ ڈی کے غیر مطبوعہ مقالہ کا حوالہ دینا ہے تو اس میں مقالہ نگار کا نام، مقالے کا عنوان شعبہ اور یونیورسٹی کا ذکر جس ادارہ کے تحت اس مقالہ کو مکمل کیا گیا ہے اور مقالہ کی تکمیل کے سال کا ذکر ضروری ہے مثلاً:

مبارک شاہ ،سیّد ، دینی مدارس کا نصاب تعلیم اور اس پر ناقدانہ نظر (ایم فل مقالہ) شعبہ اسلامیات ، پشاور یونیورسٹی ، ١٩٩٦ ۔

13- مخطوط کا حوالہ دیتے وقت اس کے مصنف/مؤلف کا نام، مخطوطہ کا ٹائٹل اور جہاں پر وہ موجود ہے اس لائبریری یا مکتبہ کا نام اور مخطوطہ کے نمبر کا اندراج کرنا ضروری ہے۔ مثلاً:

البیرونی (ابو الیمن محمد بن عبدا لرحمن) الدر المنتخب فی تاریخ مملكة حلب، عما دة شؤ ون المکتبات مدینة المنورة، نمبر ١٥٩ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

14- اگر کسی رائے کو متعدد کتب سے اخذ کیا گیا ہو تو ان کا بھی مکمل حوالہ دینا ہوگا لیکن حوالہ سے پہلے ''دیکھیں'' /''مزید تفصیل'' کے لئے دیکھیں کے الفاظ کا اضافہ کیا جائے گا۔ مثلاً: دیکھیں/ مزید تفصیل کے لئے دیکھیں

N.J. Coulson, A History of Islamic law, Edinburgh University Press. P-150.

مجلّہ علوم اسلامیہ کے اسکالرز و قارئین کے لیے اہم اطلاع

۲۰۰۹ء سے محرم تا جمادی الثانی مطابق جنوری تا جون کا شمارہ سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہوگا۔ رجب تا ذی الحج مطابق جولائی تا دسمبر۔ عام موضوعات پر مشتمل ہوگا۔ لہٰذا مضامین سیرت جنوری تک عام مضامین جولائی تک موصول ہو جانے چاہیئے۔ مضمون کسی دوسرے رسالہ اخبار وغیرہ میں شائع ہوا ہو تو آگاہ کردیں۔ ہر شخص اپنا مضمون شائع کرواسکتا ہے البتہ مضمون ۱۰ تا ۲۰ صفحات پر مشتمل ہو۔ مضمون کمپوز شدہ یا کاغذ کے ایک سائڈ صاف ستھرا لکھا ہو۔ متن کا سائز 7 +Font4 سائز 14 عنوان کا سائز 24 ذیلی عنوان کا سائز 17 ہو مقالہ کا ایک پرنٹ اور فلاپی یا سی ڈی بھی ارسال فرمادیں اے میل بھی کیا جاسکتا ہے۔ ''علوم اسلامیہ'' کا مضمون یا اس کا کوئی حصہ شائع کرنا چاہیں تو مجلّہ اور اس کا نمبر و تاریخ کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

اگر آپ ''علوم اسلامیہ'' کے مستقل مضمون نگار/ مقالہ نگار بن سکتے ہیں تو ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ مضامین اردو، عربی انگریزی اور سندھی زبان میں تحریر کیے جاسکتے ہیں۔ علوم اسلامیہ دنیا بھر کی لائبریریوں تحقیقی مراکز اور عام قارئین کو پیش کیا جاتا ہے۔

اساتذہ کرام اہل علم و تحقیق سے گزارش ہے کہ وہ ''علوم اسلامیہ'' کی کامیابی کے لئے ہمارے ساتھ ہر ممکنہ تعاون فرمائیں جزاک اللہ خیرا فی الدنیا والاخرۃ

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

چیف ایڈیٹر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گوشہ تعارف و تبصرہ کتب

تبصرہ نگار: پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

کتاب کا نام : خواتین کی تبلیغ کی ضرورت و اہمیت

مصنف : مفتی ابوالحسن عظمت اللہ بنوی

ناشر : جامعہ المرکز الاسلامی بنوں ۲۰۰۹ء

قیمت وصفحات : ۱۵ روپے ۴۰ صفحات

یہ کتاب بلال مسجد بنوں کے سوال کے جواب میں ایک فتوی کی حیثیت سے تحریر کی گئی ہے، دراصل علماء کا ایک طبقہ خواتین کے گھر سے نکلنے تدریس یا تبلیغ میں گھر سے نکل کر حصہ لینے کی مخالفت کرتا ہے۔ اسی پس منظر میں یہ جواب دیا گیا ہے اور اصولوں کی روشنی میں مشروط اجازت دی ہے، مفتی صاحب نے اپنی رائے پیش کرنے سے قبل اکابر علماء کی آراء پیش کی ہیں۔

آخری میں اپنی رائے پیش کرتے ہوئے لکھا:

خواتین کی تبلیغ کے جو اصول بنائے گئے ہیں وہ شرعاً درست ہیں، ان اصول حدود و قیود کے تحت اور نصوص شرعیہ و فقہی جزئیات کی رو سے یہ فیصلہ صادر کیا جاتا ہے کہ خواتین کے لئے مروجہ تبلیغ میں نکلنا شرعاً صحیح اور مستحسن ہے۔

یہ کتاب ایسی خواتین کے لئے بہت مفید ہے جو تبلیغ، تدریس وغیرہ سے وابستہ ہیں۔ موصوف کی اس سے قبل بھی متعدد کتب شائع ہو چکی ہیں، دعا ہے اللہ تعالیٰ موصوف کی مساعی قبول فرمائے (آمین) کتاب کی زبان و بیان کو بہتر بنایا جائے تو مناسب ہوگا۔

کتاب کا نام : قرآن پاک میں دی گئی سود کی تعریف اور پہچان اور نام نہاد اسلامی بینکاری کے طریقہ ہائے تمویل کا تجزیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصنف : محمود اشرف

ناشر : مصنف خود ناشر ہیں جون ۲۰۰۹ء۔ ۱۹۸/ii خیابان شہباز فیز vi،
DHA کراچی

قیمت وصفحات : قیمت وصفحات ۱۵۰ روپے، ۸۵ص

کتاب اپنے نام سے واضح ہے موجودہ اسلامی بینکاری پر مختلف زاویوں سے سخت تنقید کی گئی ہے، کتاب ۱۴ ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے قرآن کریم سے سود کی تعریف متعین کی ہے، پھر سود کا حکم بیان کیا ہے۔ اسلامی بینکاری میں مرابحہ، مضاربہ، اجارہ اور بیع سلم کے اصولوں سے استفادہ کیا گیا ہے، مصنف کے نزدیک یہ اصولوں کے مطابق نہیں۔ بلکہ مکمل غیر اسلامی ہے۔ مصنف نے بینکاری کے لئے مذکورہ اقسام بیع پر سخت تنقید کی ہے، لیکن اسلامی بینکاری کس طرح ہو اس کی وضاحت نہیں فرمائی، مناسب ہوگا، صحیح طریقہ کار کی نشاندہی کریں تاکہ اہل علم کی علمی انداز میں رہنمائی ہو سکے۔

یہ کتاب دراصل مصنف کے مختلف مطبوعہ مضامین کا مجموعہ ہے جس کے سبب بعض مباحث کا تکرار بھی موجود ہے۔ اسلامی بینکاری سے وابستہ افراد کے ذمہ اس کا جواب فرض ہے جو انہیں ادا کرنا چاہئے۔

کتاب کا نام : جہاد اور دہشت گردی

مصنف : ڈاکٹر محمد امین

ناشر : انٹرنیشنل اسلامک ریسرچ کونسل لاہور جولائی ۲۰۰۸ء

قیمت وصفحات : درج نہیں ۱۳۰ صفحات

ڈاکٹر صاحب لاہور کی فعال علمی شخصیت ہیں اردو دائرہ معارف اسلامیہ جامعہ پنجاب میں ڈاکٹر صاحب سے ملاقت رہی ہے۔ یہ موضوع آج کے دور کا اہم ترین مسئلہ ہے، سوالنامہ کے ذریعہ اہل علم سے مذکورہ موضوع پر مقالات لکھوائے گئے، پھر ۲۰۰۵ء میں لاہور کے ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذاکرہ میں اہل علم نے اپنے مقالات پیش کیے، ان مقالات کو اس کتاب کی شکل میں شائع کر دیا گیا، درج ذیل علماء کے مقالات اس کتاب کا حصہ ہیں۔

۱۔ مولانا عبدالعزیز علوی، ۲۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری، ۳۔ ڈاکٹر قبلہ ایاز، ۴۔ مفتی محمد عبدالرحمن رحمانی، ۵۔ حافظ ڈاکٹر عبدالرشید، ۶۔ ڈاکٹر محمد اظہار الحق، ۷۔ ڈاکٹر معراج الاسلام، ۸۔ ڈاکٹر محمد اکرم رانا، ۹۔ پروفیسر رشید احمد، ۱۰۔ حافظ مبشر حسین لاہوری، ۱۱۔ ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی۔ یہ مقالات مجلس فکر ونظر لاہور اور اس کے روح رواں ڈاکٹر محمد امین صاحب کی مساعی کا نتیجہ ہے، موصوف نے سود کے مسئلہ، جدید تعلیم میں مغربی تہذیب کے اثرات، دینی مدارس کا نظام تعلیم وغیرہ پر بھی اسی قسم کے مذاکرے منعقد کیے ہیں، ڈاکٹر صاحب اور ان کے رفقاء مبارکباد کے مستحق ہیں، اس مذاکرہ میں مختلف مسالک کے مختلف اہل علم نے مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے، اور آخر میں مشترکہ اعلامیہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ میں جناب شاہد حنیف اور ان کے دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جن کے توسط سے یہ کتاب مجھے موصول ہوئی۔

کتاب کا نام	:	پاکستان سے محبت کے تقاضے	
مصنف	:	ڈاکٹر عمر حیات عاصم سیال	
ناشر	:	بیت السلام کراچی ۲۰۰۹ء	
قیمت وصفحات	:	قیمت درج نہیں	۱۲۸ صفحات

ڈاکٹر صاحب کراچی یونیورسٹی اور شیخ زاید کے حوالہ سے نمایاں شخصیت ہیں، جہد مسلسل کے قائل اور عامل ہیں۔ متعدد کتب پر تبصرے پہلے قارئین اس مجلہ میں ملاحظہ کر چکے ہیں۔ یہ کتاب ان عنوانات وموضوعات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے پہلے حصہ میں اسلامی تہذیب، سیرت مکمل ضابطہ حیات، قرآن مجید، حقوق العباد، ہمارے اسلاف، جہاد فی سبیل اللہ، اسلامی ریاست، دوسرے حصہ میں پاکستان کا پس منظر، عیسائیت، ہندوؤں کی مخالفت، اسلامی نظریہ قوت، علامہ اقبال، قائداعظم، اکابرین تحریک پاکستان وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصنف نے پاکستان سے محبت کے تقاضوں کو اجاگر کرنے کے لئے یہ کاوش کی ہے، کتاب میں حوالے نہیں ہیں اگر ڈاکٹر صاحب، ڈاکٹر افتخار کھوکھر کے مضمون قائد اعظم محمد علی جناح (جو کہ بطور ضمیمہ کتاب کا حصہ ہے) کی طرح حوالے بھی شامل کر دیتے تو کتاب کی افادیت دو چند ہو جاتی۔

کتاب کا نام : اشاریہ معارف اعظم گڑھ ۱۹۱۶ء تا جون ۲۰۰۵ء (۹۰ سالہ)

مرتب : ڈاکٹر محمد سہیل شفیق زیر نگرانی پروفیسر ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر

ناشر : قرطاس پوسٹ بکس نمبر ۸۴۵۳ کراچی یونیورسٹی اپریل ۲۰۰۶ء

قیمت و صفحات : ۵۵۰ روپے ۶۴۴ ص

دار المصنفین اعظم گڑھ علامہ شبلی علامہ سید سلیمان ندوی و دیگر اہل علم کا عظیم یادگار ادارہ ہے، جس نے معارف کے نام سے ماہنامہ مجلّہ کا اجراء کیا، اس مجلّہ نے متنوع اور جدید موضوعات و مسائل کو موضوع بحث بنایا اور الحمد للہ زمانہ کے تمام نشیب و فراز کے باوجود آج تک جاری و ساری ہے، اللہ تعالیٰ قیامت تک اسے جاری رکھے، اس مجلّہ میں اسلام کے تمام اہم پہلوؤں پر وقیع مضامین شائع ہوئے، جس میں قرآن، حدیث، فقہ، اصول فقہ، سیرت، تصوف، تاریخ اسلام، فلسفہ اور علم کلام سمیت متعدد موضوعات شامل ہیں۔ اس کی فائلیں منتشر ہیں، مرتب نے انتہائی جانفشانی سے سابقہ اشاریوں اور محفوظ فائلوں کے ذریعہ اس اشاریہ کو مرتب کیا ہے، اس اشاریہ سے معارف ایک انسائیکلو پیڈیا کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ریسرچ اسکالر اشاریہ سازی کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں، ۱۹۱۶ء میں مجلّہ کا اجراء ہوا اور آج تک جاری ہے۔ مرتب نے ۲۰۰۵ء تک شائع ہونے والے شماروں کا اشاریہ مرتب کر دیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ جامع ترین اشاریہ ہے۔ مرتب نے بلحاظ مقالات (زمانی و مضامین) کی ترتیب پر جدا جدا اشاریہ بنایا ہے۔ پھر مصنفین کا اشاریہ اور ایسی کتب کا اشاریہ پیش کیا ہے، جن پر معارف میں تبصرے شائع ہوئے ہیں۔ یہ بھی زمانی اور ابجدی دونوں ترتیب پر ہیں، اسی طرح جن شخصیات کی وفیات کا معارف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں تذکرہ کیا گیا تھا ان کی فہرست بھی دے دی گئی ہے تاکہ دیگر اہل علم کی طرح سوانح نگاروں کے لئے بھی یہ اشاریہ مفید ہو جائے، ص/۲۰ تفصیلی وضاحت موجود ہے۔

یہ کتاب اس قابل ہے کہ علوم اسلامیہ کے ہر طالب علم کے پاس ہونی چاہئے اور ہر لائبریری کی زینت بنی چاہئے۔ اس موقع پر مرتب کے ساتھ ان کی سپروائزر پروفیسر ڈاکٹر نگار سجاد صاحبہ بھی مبارکباد کی مستحق ہیں جو نامساعد حالات میں اتنی ضخیم و خوبصورت کتب مسلسل شائع کرنے میں مصروف ہیں۔

مجلّہ کا نام ماہنامہ رشد لاہور کا قراٗات نمبر (حصہ اول)

مدیر قاری حمزہ مدنی سرپرست حافظ عبدالرحمٰن مدنی

ج/۲۰، ش/۴، جون ۲۰۰۹ء

ناشر کلیۃ القرآن الکریم والعلوم السلامیۃ، ۹۹ جے ماڈل ٹاؤن لاہور

قیمت وصفحات : ۱۵۰ روپے ۷۱۹/ص

حافظ عبدالرحمٰن مدنی سلفی کسی تعارف کے محتاج نہیں، صاحب علم اور فعال شخصیت ہیں، آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے منظم انداز میں زندگی گزاری اور قرآن وسنت کے فروغ کے لئے متعدد اداروں کی بنیاد رکھی، مارچ ۲۰۰۹ء میں مجھے لاہور کے سفر میں ریسرچ سینٹر ملاحظہ کرنے اور حافظ صاحب کے صاحبزادوں سے ملاقات کا موقع ملا۔ ماہنامہ محدث اور ماہنامہ رشد بیک وقت دو مجلات آپ کے زیر سرپرستی شائع ہو رہے ہیں، پیش نظر مجلہ رشد فن قراٗت کے تعارف، قراءات سبعۃ عشر کے تاریخی ارتقاء اس کی حجیت از روئے قرآن، حدیث اور تعامل امت پر مشتمل ہے۔ یہ خصوصی نمبر قراءات پر انسائیکلوپیڈیا ہے اور فقط پہلے حصہ پر مشتمل ہے دوسرے حصہ کا انتظار ہے، (جس میں چیف ایڈیٹر کا ایک مضمون شامل اشاعت ہے۔)

قرآن کریم کے مختلف لہجوں کی حجیت، قراٗت کا ثبوت حدیث کی روشنی میں برصغیر میں برصغیر میں قراءات کا فروغ وارتقاء۔ سبعۃ احرف کا مفہوم قراءات کی اسانید۔ مطبوعہ مصاحف کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسم خط۔اختلاف قراءات اور مستشرقین منکرین حدیث اور منکرین قراءات کے افکار اور ان کا رد (غامدی۔تمناعادی) آخر میں تفصیلی اشاریہ مجوید و قراءت پر شائع ہونے والے مضامین کا پیش کر دیا گیا ہے۔عرب ممالک میں قراءات عشرہ کا بہت رواج ہے۔میں نے جولائی ۲۰۰۹ء میں جامعہ ازہر کے عقب میں ایک مکتبہ دیکھا جو خاص اسی فن کی کتب سے بھرا ہوا تھا ہندوستان پاکستان میں اس موضوع پر مواد اور ادارے بہت کم ہیں، یقیناً اس قسم کی کوششیں اور کاوشیں سبعہ عشرہ قراءات کے فروغ کا حصہ بنیں گی۔یہ بہت بہترین کاوش ہے اسے ہر مدرسہ کے قراء کو ضرور مطالعہ کرنا چاہیے، میں حافظ صاحب اور ان کے صاحبزادوں کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

مجلّہ کا نام	:	سالانہ تحقیقی مجلّہ الإیضاح ش ۱۷/ ، ۲۰۰۶ء
مدیر	:	ڈاکٹر دوست محمد خان، ڈائریکٹر شیخ زاید سینٹر
ناشر	:	شیخ زاید سینٹر جامعہ پشاور ۲۰۰۶ء
قیمت وصفحات	:	۳۰۰ روپے، ۲۷۷ ص، (اردو ۱۴۷+عربی ۷۸+انگریزی ۵۲)

شیخ زاید سینٹر کا یہ تحقیقی مجلّہ HEC سے منظور شدہ ہے اور وقیع مضامین پر مشتمل ہے، یہ مضامین اردو، عربی، انگریزی میں ہیں، یہ سہ لسانی مجلّہ ہے، پہلا مضمون ناموس رسالت اور توہین رسالت کے علمی و تاریخی جائزہ پر مشتمل ہے، یہ ڈاکٹر دوست محمد خان صاحب کا ہے جو آج کل شیخ زاید کے ڈائریکٹر ہیں، اور ادارہ آپ کی آمد کے بعد فعال رول ادا کر رہا ہے، موصوف کے مضامین عہد حاضر کے مسائل پر سرحد کے اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

اداروں کی شناخت ان کے علمی کاموں سے ہی ہوتی ہے۔مجلّہ کے اردو حصہ میں قسامت، حجر، اجماع اور شاہ ولی اللہ کے نظریہ اخلاق پر مضامین شامل ہیں۔

عربی میں خطابی، اسلوب کے اعجاز، اصول اختلاف اور نائیجیریا میں عربی زبان جیسے موضوعات شامل ہیں۔

انگریزی مضامین میں حضرت موسیٰ قرآن کریم اور بائبل کی روشنی میں ہیلتھ صوبہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرحد میں وغیرہ شامل ہیں، بعض مضامین کے ایک سے زائد مصنف ہیں۔ مجلّہ اہم علمی مضامین پر مشتمل ہے، اہل علم اور طلباء کے لئے بہت مفید مضامین شامل کئے گئے ہیں۔ مجلّہ سالانہ کے بجائے ششماہی ہونا چاہئے، امید ہے اس پر توجہ دی جائے گی۔

مجلّہ کا نام : ماہنامہ رحیمیہ لاہور

مدیر : مفتی عبدالخالق آزاد سرپرست مولانا شاہ سعید احمد صاحب

ناشر : ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور، اے ۳۳/ کوئینز روڈ شارع فاطمہ جناح

قیمت وصفحات : ۱۰ روپے ۸/ص

مفتی عبدالخالق صاحب صاحب علم شخصیت ہیں، میرے ہم درس رہے ہیں، متنوع صلاحیتوں کے مالک ہیں، ادارہ رحیمیہ شاہ عبدالرحیم خانوادہ ولی اللہ کی جانب منسوب ہے اور فلسفہ ولی اللہ کی نشر واشاعت کے لئے قائم کیا گیا ہے، مفتی صاحب نے ادارہ کی خدمت کے لئے اپنے کو وقف کیا ہوا ہے، مریدین ومعتقدین سے رابطہ اور ادارہ کی خدمات سے آگاہ کرنے کے لئے رحیمیہ کے نام سے مختصر ماہنامہ خبرنامہ بعنوان ''رحیمیہ'' جاری کیا ہے، اس کے سات شمارے شائع ہوچکے ہیں۔ ان شماروں میں درس قرآن مولانا عبیداللہ سندھی درس حدیث خواجہ عبدالحی مدیر اعلیٰ اور ان کے شیخ وپیر ومرشد مولانا شاہ سعید احمد کی سفری مصروفیات، عہد حاضر کے حوالہ سے بعض اہم مسائل پر مختصر تبصرہ اور دینی مسائل شامل ہیں۔ یہ ایک اچھی کوشش ہے جسے یقیناً جاری رکھا جائے گا۔

کتاب کا نام: مشائخ رائے پور

مؤلف : مفتی عبدالخالق آزاد

ناشر : دارالتحقیق والاشاعت لاہور، اپریل ۲۰۰۶ء

قیمت وصفحات: ۱۴۰ روپے، ص ۲۸۸

مفتی عبدالخالق آزاد صاحب صاحب علم وصاحب مطالعہ عالم دین ہیں، یہ کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رائے پور کے صوفی بزرگوں کے خاندانی وذاتی حالات کا مجموعہ ہے۔ موجودہ خلیفہ مولانا شاہ سعید احمد رائپوری صاحب سے مفتی صاحب کا سلسلہ بیعت قائم ہے، شاہ عبدالرحیمؒ سے منسوب ادارہ رحیمیہ کے لئے اپنی زندگی وقف کردی ہے۔

اس کتاب میں خانقاہ رحیمیہ رائے پوراوراس کے قدیم بڑے بزرگوں کے مختصر حالات بیان کئے گئے ہیں تا کہ لوگ ان کی علمی ودینی خدمات سے آگاہ ہوں اوران بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے دنیا وآخرت سنوار سکیں۔ رائے پور سہارنپور یوپی (انڈیا) کے نزدیک ایک قصبہ ہے، جو صوفیا وعلماء کا مرکز رہا ہے۔

شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ متوفی ۱۹۱۹ء نے چالیس سال تک رائے پور میں لوگوں کو فیضیاب کیا ان کے خلیفہ مولانا عبدلقادر رائے پوریؒ متوفی ۱۹۶۲ء نے ۴۵ سال تک اس سلسلہ کو فروغ دیا اور مذہبی رہنمائی فرمائی، موصوف نے اپنا خلیفہ مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ متوفی ۱۹۹۲ء کو مقرر کیا، جنہوں نے اپنا خلیفہ مولانا شاہ سعید احمد رائپوری مدظلہ کو اپنا خلیفہ ۱۹۸۸ء میں مقرر کیا، جو آج بھی لاہور میں قائم ادارہ رحیمیہ میں اصلاحی وتربیتی خدمات کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ لاہور کے کچھ احباب سے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب نوجوانوں کی فکری اصلاح اور معاشرتی اصلاح کے لئے کوشاں ہیں۔ جسے دو دن مہمان رہ کر خود میں نے بھی مشاہدہ کیا ہے۔ دعاء ہے اللہ تعالیٰ موصوف اوران کے جملہ رفقاء سے دین کی خدمت لے اوراسے قبول فرمائے۔ (آمین)

آپ کی صحبت کے صدقہ نوجواں زر پرستی، خود نمائی سے نفور

شہ ولی اللہ سے وابستہ ہیں سلسلہ در سلسلہ اور باشعور

مجلّہ کا نام : (ماہنامہ) محدث، خصوصی شمارہ فتنہ انکار حدیث اگست وستمبر ۲۰۰۲ء

مدیر : حافظ حسن مدنی سرپرست حافظ عبدالرحمن مدنی

ناشر : مجلس التحقیق الاسلامی ماڈل ٹاؤن لاہور

قیمت وصفحات: ۲۰۰ روپے، ۲۸۰/ص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماہنامہ محدث اہلحدیث کا معروف ترجمان مجلّہ ہے لیکن اس مجلّہ کی خصوصیت یہ ہے کہ دیگر مکاتب فکر کے علماء کے تحقیقی مضامین اوران کی آراء بھی پیش کی جاتی ہیں، مذکورہ مجلّہ خصوصی شمارہ ہے فتنہ انکار حدیث پر جس میں پرویزی مکتبہ فکر کے حوالہ سے اہم مضامین جمع کردیئے گئے ہیں۔

پرویزیوں کے افکار کی مدلل انداز میں تردید کی گئی ہے، بالخصوص کفریہ عقائد کے رد میں مدلل مواد یکجا کردیا گیا ہے۔ حافظ حسن مدنی صاحب کا مضمون ''پرویز کے بارے میں علماء امت کے فتویٰ'' میں علماء عرب کے فتاویٰ یکجا کردیئے گئے ہیں۔ جو پہلی دفعہ نگاہ سے گزرے ہیں۔

حجیت حدیث کے حوالہ سے مختلف مجلات میں حجیت حدیث پر جو مضامین شائع ہوئے ہیں ان کا اشاریہ مجلّہ کی اہم کاوش ہے۔ دیگر اہم مضامین میں اختلاف تعبیر قرآن، فتنہ انکار حدیث کی تاریخ، حفاظت حدیث، حجیت حدیث، طلوع اسلام اور انکار حدیث کے لٹریچر کی توسیعی فہرست شامل ہے۔

محدیث کا ادارتی عملہ مبارکباد کا مستحق ہے جس نے عہد حاضر کی اہم ضرورت کو پیش کیا ہے، اس شمارہ کو کتابی شکل میں شائع کرکے کالج یونیورسٹی اور عدالتوں میں وکلاء لائبریری تک پہنچانا ضروری ہے اس لئے کہ انہی جگہوں پر منکرین حدیث اپنے افکار کو مختلف ناموں سے فروغ دے رہے ہیں۔

تبصرہ: ہفت روزہ اخبار المدارس کراچی ۱۵ تا ۲۱ اپریل ۲۰۰۹ء

کتاب کا نام: تحقیقی مقالات کی ترتیب، تدوین وتیاری کے اصول

مترجم: ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

مولانا محمد جہان یعقوب

زیر تبصرہ کتاب، جس کا موضوع اس کے نام سے ہی ظاہر ہے، جامعۃ الازہر قاہرہ و کیمبرج یونیورسٹی برطانیہ کے استاذ اور معروف مصنف، محقق ومدقق مصری عالم دین ڈاکٹر احمد شبلی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب ''کیف تکتب بحثاً او رسالۃ'' کا اردو ترجمہ ہے، جسے قائد ملت گورنمنٹ ڈگری کالج کراچی کے پرنسپل اور وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی یونیورسٹی اور ہمدرد یونیورسٹی کے سپروائزر برائے ایم فل و پی ایچ ڈی پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی نے بہاولپور یونیورسٹی کے سابق پروفیسر ڈاکٹر عبدالرحمن کے تعاون سے مکمل کیا اور مکتبہ یادگار شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ۱۶۲ اسیکٹر ۸۔ ایل اورنگی ٹاؤن سے شائع کیا ہے۔ رنگین کارڈ ٹائٹل پر شائع ہونے والی اس کتاب میں جو تقریباً ۱۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ایم اے، پی ایچ ڈی اور تخصص وغیرہ کا مقالہ نیز تحقیقی مضامین لکھنے والوں کے لئے ہمہ پہلو رہنمائی موجود ہے، ڈاکٹر احمد شبلی الازہری نے جہاں اپنے طویل ترین تدریسی و تحقیقی تجربے کی روشنی میں ہر قسم کی ضروری رہنمائی فراہم کی ہے، وہیں مترجمین کرام نے بھی اسے کماحقہ اردو کے قالب میں دیدہ زیب انداز میں ڈھال دیا۔

کتاب کے ترجمے کا آغاز صفحہ ۲۳ پر ''مصنف کا مقدمہ طبع اول'' سے ہوتا ہے۔ اس سے پہلے ''پیش لفظ مترجم'' کے عنوان سے پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی کا ایک طویل و بسیط مقدمہ ہے، جس میں انہوں نے مسلمانوں کے طریقہ تحقیق، مغربی فکر تحقیق کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنے کے بعد ''اسلام میں تصنیف و تالیف'' پر سیر حاصل بحث کی ہے اور مدینۃ العلم (مدینہ منورہ)، کوفہ، بصرہ اور بغداد کی علمی مرکزیت پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا ہے کہ:

> بلاشبہ عہد رسالت خلافت راشدہ و امیہ میں بعض علوم کی تدوین کا آغاز ہوا، لیکن عہد رسالت سے دور اموی تک خالص عربی تمدن جلوہ فگن رہا۔ عربوں کو اپنے قوت حافظہ پر جیسا کچھ اعتبار و اعتماد اور فخر و ناز تھا وہ آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ اس لئے اس دور کے کتب خانوں کے ذخیرہ میں جامعیت، تنوع اور کثرت پیدا نہ ہو سکی تھی۔ اس دور کا سب سے بڑا کارنامہ ابلاغ اور کتب خانوں کی تحریک کا وہ آغاز ہے جس سے علم و کتاب کے سلسلے کا احیا ہوا تھا۔ عہد عباسی میں جب تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا اور کتابیں استعمال میں آنے لگیں تو علماء و مصنفین اپنی کتابوں میں حسب ضرورت ان کے حوالے دینے لگے۔'' (صفحہ ۲۲، ۲۳ ملخصاً)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلے میں کچھ شواہد بھی پیش کئے ہیں، اس کے بعد "عہد حاضر میں منہج تحقیق اور اصول تحقیق پر تصانیف" کے عنوان سے تحقیق کی مختلف تعریفات وتعبیرات نقل کرتے ہوئے اس حوالے سے اردو، عربی اور انگریزی میں لکھی جانے والی کتابوں کا بھی تذکرہ کیا ہے تاکہ تشگان علم براہ راست ان سے استفادہ کر سکیں۔

مصنف نے مقدمے میں اپنی کتاب کی غرض وغایت یہ بیان کی ہے کہ انہوں نے تحقیقی کام کرنے والے طلبہ کی دوران تحقیق پیش آنے والے مسائل میں رہنمائی کی غرض سے یہ قدم اٹھایا ہے، جس میں انہوں نے اس موضوع پر لکھی جانے والی انگریزی کتابوں، لندن اور کیمبرج میں سنے ہوئے اپنے اساتذہ کے لیکچر و ہدایات اور اپنے تجربات سے استفادہ کیا ہے۔

یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے:

☆ مقالہ اور اس کی کامیابی کے بنیادی عناصر،

☆ مقالہ لکھنے سے پہلے کی مشکلات، ☆ مقدمہ تحریر کرنے کا طریقہ،

☆ مقالہ کی ہیئت وکیفیت، ☆ مقالہ کا تحریری اسلوب وجلد سازی،

☆ انٹرویو (وائے وا) اور نتیجہ۔

اس باب کے بعد ایک ضمیمہ بھی ہے جس میں رموز اوقاف بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب چونکہ عربی زبان میں ہے، اس لئے مصنف نے عربی ہی کے رموز اوقاف بیان کئے ہیں اور مترجم نے بھی ان ہی کے ترجمے پر اکتفا فرمایا ہے، کیا ہی اچھا ہوتا کہ وہ ضمنی طور پر عربی اور اردو زبان کے رموز اوقاف کا فرق بھی بیان کر دیتے تاکہ اردو زبان میں مضمون و مقالہ لکھنے والوں کے لئے آسانی پیدا ہو جاتی، انتہا یہ ہے کہ فاضل مترجم نے "کمال دیانت" کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان رموز اوقاف کے نام بھی من وعن عربی زبان والے درج کئے ہیں:

یہ کتاب بلاشبہ مقالہ نگاروں اور مضمون نویسوں کے لئے انتہائی مفید ہے اور اس میں درج کی جانے والی ہدایات سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے مقالے اور مضمون وتحریر کو زیادہ سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ مفید و دلچسپ اور قابل قبول بنایا جاسکتا ہے۔ الحمدللہ علماء و طلبہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذوق تحریر و تصنیف سے بھی ایک وافر حصہ عطا کر رکھا ہے، اس کتاب سے فائدہ اٹھا کر اپنے مافی الضمیر کا بہتر سے بہتر اسلوب تحریر میں اظہار کر سکتے ہیں اور نو آموز اہل قلم اس کی روشنی میں مہینوں کا سفر ہفتوں میں اور ہفتوں کا دنوں میں طے کر سکتے ہیں۔ ایک طویل عرصے سے اس بات کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اس حوالے سے ہمارے طلباء کی رہنمائی کی جائے، بحمد للہ اس کتاب نے اس ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔

مترجم و ناشر محترم ثانی صاحب کی محنت قابل داد ہے کہ انہوں نے موضوع کی افادیت کا ادراک کرتے ہوئے اس کتاب کو اردو کے پیراہن میں ڈھال دیا۔ کتاب سادگی و متانت کا مرقع ہے، کاغذ بھی عمدہ ہے اور انداز بیان بھی سادہ عام فہم۔ موقع محل کی مناسبت سے مترجم کے فٹ نوٹس اور حاشیے بھی انتہائی کارآمد ہیں۔ تاہم ایک کمی بہت شدت سے محسوس ہوتی ہے اور وہ ہے لفظی اغلاط۔ اس قدر اہم کتاب میں اغلاط کی اس قدر بھرمار قاری کے فہم مطلب میں مخل ہی نہیں بلکہ کتاب کی قدر و منزلت کے لئے بھی ضرر رساں ہے۔

صفحہ ۱۴ سے صفحہ نمبر ۱۷ فقط چار صفحات میں درجنوں اغلاط اور بین القوسین ہیں، اسی سے پوری کتاب کی صورت حال کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے، ہم ذیل میں ان صفحات کی اغلاط کا درست لفظ درج کر رہے ہیں۔

عزم (جزم)، ثققہ (ثقہ)، آحاذ (آحاد)، روایتوں (راویوں)، مرقوع (مرفوع)، روایت (درایت)، اجتماع (احتمال)، قطعی (قلعی)۔ حروف ربط کی اغلاط اس کے علاوہ ہیں۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ انشاء اللہ اگلا ایڈیشن ان اغلاط سے پاک ہوگا۔ بحیثیت مجموعی کتاب اس قابل ہے کہ اسے ہر کتب خانے، المار ی کی حرز جان بنایا جائے۔

کتاب کا نام: علامہ سید سلیمان ندویؒ (گوجرانوالہ سے طبع ہونے والی ایک نایاب تالیف)

مرتب کا نام: ابو علی اثری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد اقبال جاوید

زیر نظر کتاب علامہ سید سلیمان ندویؒ کے بارے میں مولانا ابوعلی اثری کے اُن مضامین کا مجموعہ ہے جو مختلف رسائل و جرائد میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے اور جسے ندوۃ المحدثین گوجرانوالہ نے ۱۹۸۵ء میں جناب ضیاء اللہ کھوکھر کے اہتمام سے طبع کرنے کے بعد، بلا قیمت تقسیم کیا تھا۔ یہ نایاب کتاب اس موضوع پر گوجرانوالا سے طبع ہونے والی پہلی کتاب ہے اور غالباً آخری بھی۔

مولانا عبدالباری (۱۹۰۳ء۔۱۹۹۳ء) جن کا قلمی نام ابوعلی اثری اور ابوعلی اعظمی ہے وہ ۱۹۹۱ء تک دارالمصنفین میں لائبریرین کے طور پر کام کرتے رہے۔ جناب ابوعلی اثری یوں تو وہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے قدیم ارکان میں سے تھے۔ اور اہل حدیث مکتبہ فکر سے متعلق تھے، جبکہ علامہ سید سیمان ندویؒ بھی تحریک اہل حدیث سے متاثر تھے، اور اس کی دینی افادیت کے دل سے قائل تھے۔ جناب ابواعلیٰ اثری کو دارالمصنفین میں سید مرحوم سے انتہائی قرب حاصل رہا۔ انہیں ایک معتمد اور معاون کی حیثیت حاصل تھی، وہ سید مرحوم کی شخصی، علمی اور دینی اداؤں کے گرویدہ تھے۔ سید صاحب، نجی، تصنیفی اور علمی معاملات میں اُن کے مشوروں کو قدرومنزلت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ یوں ابواعلیٰ اثری ''سید سلیمان ندویؒ'' کے بارے میں حوالے کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی تحریریں سیّد صاحب کے بارے میں ایک مستند ماخذ ہیں۔

مولانا اثری، شبلی نعمانیؒ کی شخصی نجابتوں کے قائل اور اُن کی قلمی عظمتوں کے گھائل تھے۔ شبلیؒ کے انداز تحریر پر وہ اس قدر فریفتہ تھے کہ انہیں محمد حسین آزاد اور مولانا حالی سے بھی بلند سمجھتے تھے، اس تاثر اور سید صاحب کی رفاقت وصحبت نے ان کے ذہن کو بالیدگی، فکر کو کشادگی، دل کو تازگی اور قلم کو شگفتگی عطا کردی تھی۔

اُن کی تحریر میں علامہ شبلیؒ اور سید سلیمان ندویؒ کا رنگ انتہائی دل آویزیوں کے ساتھ ہم آہنگ ہوگیا تھا۔ اُن کے مضامین برصغیر پاک و ہند کے دینی اور ادبی رسالوں میں چھپتے اور اہل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذوق کے لئے سرمایۂ شوق فراہم کرتے رہے، محترم ضیاء اللہ کھوکھر ذوق وشوق کے اسی علمی قافلے کے فرد فرید ہیں۔ وہ جماعتی وابستگی کے ساتھ مولانا اثری کے انداز تحریر سے بھی انتہائی متاثر تھے، اسی تاثر کا نتیجہ تھا کہ وہ اُن کی تحریروں کو نہ صرف پڑھتے رہے بلکہ محفوظ بھی کرتے رہے۔ یہی وہ تعلق خاطر تھا جو انہیں ۱۹۸۴ء میں گوجرانوالہ سے دارالمصنفین اعظم گڑھ لے گیا، وہاں انہوں نے مولانا اثری سے ملاقات بھی کی اور اس امر کی پیش کش بھی کی کہ وہ اُن کے اُن مضامین کو کتابی شکل دینے کی سعی کریں گے جو علامہ سید سلیمان ندویؒ سے متعلق ہیں۔ ۱۹۸۵ء وہیں گوجرانوالہ سے شائع ہونے والی زیر نظر کتاب، اسی وعدے کا ایک خوبصورت ایفاء ہے، انہوں نے اس تالیف کو بلاقیمت رکھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی تالیف ہاتھوں ہاتھ نکل جاتی ہے اور یوں جلد کمیاب اور نایاب ہو جاتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ تالیف ریکارڈ پر آئے اور ریکارڈ میں رہے۔

اس کتاب کا انتساب مولانا ابوعلی اثری ہی کے قلم سے ہے:

انتساب

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اپنے تاثراتی مضامین کے اس مجموعہ کو جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ کے نام معنون کرتا ہوں، جو علامہ سید سلیمان ندوی کے علوم ومعارف کے قدردان، ان کے ادب وانشاء کے پرستار، ان کے اسلوب وطرز نگارش کے کامیاب مقلد، دارالمصنفین میں ان کے جانشین، اور شبلی وسلیمان کی ادبی وعلمی روایات کے امین ہیں۔

خاکپائے سلیمان

ابوعلی

اس کتاب میں جو مضامین شامل ہیں وہ سب مختلف مجلات میں شائع ہو چکے ہیں۔

مضمون اشاعتی معلومات کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سید سلمان ندوی کا ایک خط میرے نام

مولانا سید سلیمان ندوی کی بارگاہِ علم ودانش میں۔ سب رس حیدر آباد ی ۱۹۶۹ء

تحریک حیاتِ سلیمان۔ ہماری زبان دہلی، ۱۵ مارچ ۱۹۷۶ء

سید الملک۔ صدق جدید لکھنو، ۲۵ جنوری ۱۹۵۷ء

معارف سلیمان نمبر پر ایک نظر۔ الجیب پھلواری اکتوبر ۱۹۷۴ء

معارف سلیمان نمبر

حیاتِ شبلی۔ الجیب پھلواری ستمبر ۱۹۷۴ء

خلاصہ حیاتِ شبلی۔ فاران کراچی، فروری ۱۹۶۴ء

حیاتِ شبلی اور مولانا سہیل۔ فاران کراچی اگست ۱۹۵۷ء

مولانا وحید الدین خاں اور حیاتِ شبلی

سیرۃ النبی ﷺ۔ احتساب علی گڑھ، مارچ ۱۹۸۱ء

حیاتِ شبلی کے ناقدین۔ تحریک اکتوبر ۱۹۷۴ء

جانشین شبلی۔ فاران کراچی، جون ۱۹۵۹ء

مولانا شبلی کی نگاہ جوہر شناس اور تکمیل سیرت۔ سب رس حیدر آباد جون ۱۹۷۶ء

سید سلیمان ندوی۔ نقش دیو بند جولائی اگست ۱۹۵۹ء

مولانا سید سلیمان ندوی کے علمی وتاریخی کارنامے۔ برہان دہلی مئی ۱۹۴۰ء

علامہ سید سلیمان ندوی مولانا ابوالکلام آزاد کی نظر میں۔ فاران اکتوبر ۱۹۵۹ء

۱۴ اگست ۱۳ء کا اداریہ مشہد اکبر نمبر ا، فاران کراچی

سیرت عائشہؓ۔ سب رس حیدر آباد ۱۹۷۲ء

مولانا سید سلیمان ندوی اوران کی سیرت عائشہؓ۔ الجیب پھلواری اپریل ۱۹۷۳ء

خیام۔ فاران کراچی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایجوکیشنل کانفرنس اور مولانا سید سلیمان ندوی۔ کانفرنس گزٹ یکم مارچ ۱۹۷۵ء

مولانا سید سلیمان ندوی کا قیام پاکستان۔ صدق جدید لکھنؤ ۱۱۶ کتوبر ۱۹۷۶ء

مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا تھانوی کے بعض نامور خلفاء۔ صدق جدید لکھنؤ ۹ جون ۱۹۷۶ء

معترضین اسلام اور سید صاحب۔ فاران مئی ۱۹۷۶ء

مولانا سید سلیمان ندویؒ اور تحریک اہلحدیث۔ منہاج جون ۱۹۵۸ء

سید صاحب کے اہلحدیث احباب۔ منہاج لاہور ۷ا۔ ۲۱، ۲۸ جون ۱۹۵۸ء

حیات سلیمان کا ایک گم شدہ ورق۔ ترجمان دہلی اگست ۱۹۷۰ء

مولانا سید سلیمان ندویؒ اور علمائے اہلحدیث

اب اس تالیف کے کچھ اقتباس دے رہا ہوں، مختلف موضوعات پر لکھے گئے مضامین میں سے کچھ نثر پارے محفوظ کرنا چاہتا ہوں اور مقصد یہ ہے کہ ان بکھرے شذرات میں ایک معنوی تسلسل آ جائے، تاکہ مولانا سید سلیمان ندویؒ کے شخصی انوار اور علمی افکار کی ایک مربوط سی جھلک دکھائی دے سکے۔

ترے عکسوں پہ گویا آج بھی ہے دسترس میری
یہ جب شیشے میں آتے ہیں مری تحریر بنتے ہیں

مولانا سید سلیمان ندویؒ کو اپنی گوناگوں علمی مشاغل اور اسفار کی وجہ سے جو زیادہ تر دین اور علم کی خدمت کے لئے ہوتے تھے، اگرچہ حدیث کی براہ راست خدمت کا موقع نہیں ملا اور نفس حدیث پر ان کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے۔ لیکن ان کی ساری تصانیف سیرۃ النبی ﷺ، سیرت عائشہؓ، خطباتِ مدراس، رحمتِ عالم ﷺ حدیث ہی سے ماخوذ اور مستنبط ہیں۔ سیرت عائشہؓ کی تالیف کے وقت، مولانا شبلی نے سید صاحب کے لئے حیدر آباد سے علامہ جلال الدین سیوطی کا حدیث میں ایک نایاب رسالہ عین الاصابہ پہنچایا تھا، جو کتب خانہ میں بہت خراب وخستہ حالت میں اب تک موجود تھا۔ انہوں نے سیرت عائشہؓ کا دوسرا ایڈیشن کچھ اور معلومات اور مزید حواشی کے ساتھ نہایت اہتمام سے شائع کیا تو اس رسالہ کو باقاعدہ ایڈٹ کر کے بطور ضمیمہ کے اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ شامل کرلیا اور افادۂ عام کے خیال سے اس کے کچھ مزید فرمے بھی چھپوائے۔ اس طرح انہوں نے ایک گمنام اور نایاب مجموعہ حدیث کو پردہ گمنامی سے منظر عام پر لاکر وقف عام کر دیا، جو شائقین وطلبہ حدیث کے لئے

ایک نعمت غیر مترقبہ ہے، یہ کل ۱۸ صفحوں کا مختصر ترین رسالہ ہے، اس میں وہ حدیثیں جمع کی گئی ہیں جن میں حضرت عائشہؓ نے اپنے معاصرین سے اختلاف کیا ہے، ایسے تمام مسائل جن میں حضرت عائشہؓ کی کچھ رائے تھی، اور دوسرے صحابہ کی کچھ سید صاحب نے سیرۃ عائشہؓ میں جمع کر دیا تھا۔

ارض القرآن اور سیرتِ عائشہؓ جیسی گراں مایہ اور محققانہ تصانیف کے بعد سید صاحب کا عظیم الشان کارنامہ مولانا شبلی کی ناتمام سیرت کی تکمیل ہے، مولانا شبلی نے اس مقدس کام کو اپنی آخر عمر میں شروع کیا تھا، اور اس کی تکمیل کو اپنے خاتمہ بالخیر ہونے کا ذریعہ بنانا چاہا تھا، فرماتے ہیں:

عجم کی مدح کی، عباسیوں کی داستاں لکھی
مجھے چندے مقیم آستان غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتم ﷺ
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

لیکن افسوس اپنی آرزو کے مطابق اس مقدس کام کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکے، اس کی ایک ہی جلد لکھی تھی کہ خود ان کی کتاب زندگی کا ورق آخر ہو گیا اور اس کی حسرت اپنے ساتھ لے گئے، سید صاحب نے اُستاذ کے اس ناتمام کام کی جس طرح تکمیل کی اور جس تلاش وتحقیق کے ساتھ اس کی چار جلدیں یکے بعد دیگرے مرتب کیں، وہ ان کی زندگی کا بڑا شاندار کارنامہ ہے۔
پہلی جلد گو بظاہر مکمل تھی، لیکن اس کے اجزاء بے حد منتشر تھے، ان کا جمع کرنا اور پھر مرتب کرنا بھی ایک مستقل تالیف کا کام تھا، اور وقت طلب بھی، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اس کے تمام منتشر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجزاء کو نہ صرف قرینہ سے جمع کیا بلکہ اس میں جو مباحث تشنہ تکمیل تھے۔ ان کو مزید غور و فکر اور تلاش و جستجو اور تحقیق و تدقیق سے پورا کیا، جو حواشی نامکمل تھے ان کو مکمل کیا اور جو رہ گئے تھے ان کو از سر نو لکھا۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ بھی مولانا شبلی کی طرح یورپ کے مستشرقین اور ہندوستان کے تنگ نظر اور متعصب مورخوں کے اعتراضات کا دفاع اور ان کی تردید کرتے رہے، اور اپنے رفقاء سے بھی ان کے رد میں مضامین لکھواتے رہے۔ جن سے معارف کی فائلیں بھری ہوئی ہیں۔
مولانا سید سلیمان ندویؒ کی مستشرقین یورپ اور ہندوستان کے تنگ نظر مورخوں کے اعتراضات اور الزامات پر خاص نظر رہتی تھی، اور ہاتھ کے ہاتھ ان کے جوابات دینے کی کوشش کرتے تھے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے الہلال سے علیحدہ ہو جانے کے بعد پونہ فرگوسن کالج میں پروفیسری قبول کرلی تھی، جس کو مولانا ابوالکلام آزاد نے ان کی فطری صلاحیتوں کی بنا پر ان کے لئے کچھ زیادہ مناسب نہیں سمجھا لکھتے ہیں:

> آپ نے پونہ میں پروفیسری قبول کرلی، حالانکہ خدا نے آپ کو درس و تعلیم مدارس سے زیادہ عظیم الشان کاموں کے لئے بنایا ہے۔ خدا کے لئے میری سنیئے اور مجھے اپنا ایک مخلص بھائی تصور کیجئے، میں آپ کی عزت کرتا ہوں اور خدا شاہد ہے کہ آپ کی محبت اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ کیا حاصل اس سے کہ آپ نے چند طالب علموں کو فارسی، عربی سکھلادی، آپ میں وہ قابلیت موجود ہے، کہ آپ لاکھوں نفوس کو زندگی سکھلا سکتے ہیں۔

جب مولانا سید سلیمان ندویؒ پاکستان میں خواہش، آرزو اور تمنا کے خلاف مستقل قیام پر مجبور کردیئے گئے، تو طرح طرح کے علمی منصوبے ان کے دل میں پیدا ہوئے، سردست دیوبند، ندوۃ، دارالمصنفین، مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ کا بدل پیدا کرنا آسان کام نہیں تھا، تسید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صاحب نے اپنی تسکین کے لئے مکتبہ الشرق کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ، اپنی نگرانی میں قائم کیا، اگر مولانا سید سلیمان ندویؒ کی زندگی نے وفا کی ہوتی تو کیا عجب تھا کہ یہ آگے چل کر دارالمصنفین میں تبدیل ہو جاتا اس ادارہ سے خود انہی کی دو کتابیں شائع ہوئیں، ایک ان کے سفر یورپ کے زمانہ کے خطوط کا مجموعہ برید فرنگ کے نام سے دوسری یادرفتگان جس میں ان کے وہ مضامین ہیں، جو انہوں نے اپنے سے تعلق رکھنے والے ہندوستان کے ہر طبقہ زندگی کے مشاہیر و داعیان کی وفات پر لکھے تھے۔

۶۷ برس کی عمر کو پہنچے تھے کہ پیام اجل آ پہنچا اور وہ راہی ملک بقا ہو گئے۔

درج بالا اقتباسات سے پتا چلتا ہے کہ ان کا انتقال ہوا تو بھارت میں مقیم متعلقین کے غم واندوہ کا کیا عالم تھا اور بطور تقابل وعبرت ''مقالات راشدی'' (از سید حسام الدین راشدی، ناشر جامعہ کراچی، انسٹی ٹیوٹ آف سینٹرل اینڈ ویسٹ ایشین سٹڈیز) میں سے ایک اقتباس دینے کی ہمت کر رہا ہوں کہ وہ جب کراچی تشریف لائے تو اہل شہر کے تپاک کا کیا عالم تھے اور جب ان کی آنکھیں بند ہوئیں تو اس دیس کے باسیوں نے کیسے ان سے آنکھیں پھیر لیں، کاش، ہم لوگ صاحب دل اور صاحب نظر لوگوں کی قدر کرنا سیکھیں، استقبال کی رسم ادا کر کے انہیں تنہائی، عزت اور کس مپرسی کے سپرد نہ کریں اور ان کے جانے کے بعد انہیں قلم قلم اور قدم قدم یاد رکھیں اور ان کے نقوش پا سے علمی، ادبی اور فکری چاندی سمیٹتے رہیں کہ ایسے ہی دیئے سے دیا جلتا ہے۔

افسانہ ہائے عشق کا عنوان تھا میرا نام میں زیب داستاں تھا ابھی کل کی بات ہے
وہ کاروان شوق جو رستے میں لٹ گیا میں اس کا اک نشاں ہوں مجھے یاد کیجئے
اک حرف دل نشیں ہوں مجھے بھولئے نہیں آواز دوستاں ہوں مجھے یاد کیجئے

اب سید حسام الدین راشدی کی مذکورہ بالا تحریر دیکھیں، اس میں سید صاحب کے ساتھ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا تذکرہ بھی ہے کہ ایک ہی جگہ دونوں عظمتوں کے مرقد ہماری فراموشگاریوں کے شکوہ سنج ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دن میں نے کراچی کی دیواروں پر قد آدم پوسٹر دیکھا کہ:

''سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھنے والا کراچی کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمار ہے ہیں! کراچی والوں کو چاہیے کہ لاکھوں کی تعداد میں ان کے استقبال کو کراچی کینٹ پہنچیں۔

شہر میں بڑی گھما گھمی تھی کہ سید سلیمان ندویؒ ہندوستان کو خیر باد کہہ کر اس اسلامی مملکت میں رہنے اور بسنے کے لئے تشریف لار ہے ہیں۔

لالہ بھیم سین سچر کی قیادت میں ''پھر بساؤ کمیٹی'' کے ممبران بھی دلی سے آرہے تھے۔

ہم لوگ ان کو لینے جب اسٹیشن پہنچے تو واقعی پورا پلیٹ فارم اسلامیانِ پاکستان سے اٹا ہوا تھا۔

معلوم ہوا کہ سید سلیمان ندویؒ بھی لاہور سے اسی گاڑی سے تشریف لار ہے ہیں۔

جب گاڑی رکی تو ہم ''پھر بساؤ کمیٹی'' کی طرف لپکے۔لوگوں نے بھی اسی طرف آنا شروع کیا۔ اللہ اکبر کے نعرے فضا میں گونج اُٹھے اور پھولوں کے ہار بھیم سین سچر اور ان کے ساتھیوں کے گلے میں ڈالے گئے۔ کمیٹی والے خوش ہو گئے کہ یہ پوری پاکستانی مخلوق ان کے استقبال کے لئے سر کے بل چل کر اسٹیشن پر پہنچی ہے، اور خدا کا شکر ہے کہ انہیں آخر دم تک یہی غلط فہمی رہی۔ حقیقت یہ تھی کہ سید صاحب کسی وجہ سے نہ آسکے۔ پھر بساؤ کمیٹی کے لئے استقبال کنندہ ہم پندرہ بیس آدمی تھے۔ کمیٹی والے غلط فہمی میں رہے اور ہم اندرون خانہ ان استقبال کنندگان کی موجودگی اور ان کے ہاروں سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر بہت خوش ہوئے تھے۔ اسے اتفاق کہیے یا سوءِ اتفاق، بہر حال! ہمیں تو وقت پر بڑا کام دے گیا۔

جب سید سلیمان ندویؒ صاحب تشریف لائے تو میرے قریب ہی ایک کوٹھی میں قیام فرمایا۔ یہ وہ دور تھا جب کہ لوگوں کو اُمید تھی کہ پاکستان میں اسلامی حکومت کا دستور بننے والا ہے اور اس کے کمیٹی کے سربراہ سید صاحب ہوں گے۔ مسلمان کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر سربراہ سے فوراً عقیدت اور مروت پیدا کر لیتا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کسی کی شخصیت اور شخصی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وجاہت کی بنا پر معتقد یا متاثر ہوتے ہوں۔ لوگ درحقیقت اپنی ذاتی اغراض نکالنے کے لئے گرد و پیش کے چکر کاٹتے رہتے ہیں اور حقیقی عقیدتمند کم ہوتے ہیں۔ یہی حال سید صاحب کا بھی لوگوں نے کیا۔ میں نے سنا اور دیکھا بھی کہ سید سلیمان ندویؒ کی کوٹھی پر ہر وقت ٹھٹ کے ٹھٹ لگے رہتے تھے۔ ان دنوں شاید ہی سید سلیمان ندویؒ کو اپنے گھر میں آنے، آرام کرنے اور سوچنے کی فرصت ملتی ہوگی۔

غرض کہ ایک زمانہ اس امید پر لوگوں کا بیت گیا کہ سید سلیمان ندویؒ سربراہ اب بنے اور کل بنے۔ جب ایک دفعہ اقتدار کے دروازے سید سلیمان ندویؒ پر وا ہوئے تو پھر ان تمام فرضی عقیدت کیشوں کے کاج سدھ ہوتے رہیں گے۔ لمبے عرصے تک آنے جانے والوں کے ذہنوں اور عقائد میں یہی کش مکش رہی اور اسی آس پر انہوں نے آمد و رفت جاری رکھی، لیکن یہاں تو نہ اسلامی دستور کی طرف توجہ ہوئی اور نہ سید سلیمان ندویؒ کسی ایسے محکمے کے سربراہ بنے۔ حکومتی حلقوں میں سید سلیمان ندویؒ کی آمد و رفت نہیں تھی۔ آخر خدا خدا کرکے یہ جھمگٹا اور جھرمٹ کم ہوتے ہوتے ختم ہوگیا اور فقط وہی لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے جو واقعی ان کی علمی فضیلت اور منزلت کی وجہ سے ان کی ذات والا صفات سے حقیقی تعلق رکھتے تھے۔

نظامی دواخانے والے میرے محترم شفیق حکیم نصیر الدین احمد ندوی کا خدا بھلا کرے جنہوں نے روزِ اوّل سے سید صاحب کے دم توڑنے تک ان کی خدمت اس دل سوزی سے کی کہ وہ انسانیت کے بلند مراتب پر تو بفضلہٖ تعالیٰ فائز ہی ہیں لیکن اس سے جبکہ سید سلیمان ندویؒ پر آخری وقت آیا تو وہ واقعی ملائک معلوم ہوتے تھے۔ ان کا چہرہ اترا ہوا تھا، ان کی آنکھوں میں آنسو کی نمی تھی اور دل میں ایک کراہ، ذہن میں بے پناہ کش مکش، اضطراب اور اذیت تھی اور اسی عالم میں وہ خدمت اور علاج برابر جاری رکھے ہوئے تھے۔

ایک دن صبح سویرے مولانا عبدالرشید نعمانیؒ گھبرائے ہوئے میرے پاس آئے اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جلدا ُٹھو! سید سلیمان ندویؒ کے جنازے کی نماز میں شرکت کریں۔

میرے منہ سے چیخ نکل گئی، کھل کر تو نہیں رویا لیکن اندر ایک طوفان برپا ہو گیا اور آنکھوں کے سامنے پاکستان کی پوری فضاء تاریک اور بھیانک دکھائی دینے لگی۔

نیوٹاؤن جامع مسجد کی بنیادی عمارت تو مکمل ہونے کے قریب تھی، لیکن ایوان میں فرش ابھی تک نہیں ہوا تھا، مولانا کا جنازہ رکھا ہوا تھا، کچھ عزیز، کچھ اہل علم اور ایک دو عرب سفراء موجود تھے۔ دو صفیں غالباً بڑی مشکل سے ہوئیں اور ہم نے سیرت رسول ﷺ کے لکھنے والے کی نماز جنازہ پڑھی۔

پاکستانی مسلمان کے مزاج کی دونوں کیفیتیں اس وقت میرے ذہن میں اُبھر آئیں۔ ایک آنے کے وقت ہزاروں کی تعداد میں اسٹیشن پر جمع ہونا اور یہ کہ دائمی مفارقت کے وقت اس طرح آنکھیں چرا جانا

زراہ میکدہ، یاراں! عنان بگردانید
چراکہ، حافظ ازین راہ رفت و مفلس شد

پاکستان اسلامی حکومت کا روپ دھار کر وجود میں آیا تھا۔ لیکن دستور سے پہلے شیخ الاسلام کا منصب قائم کرنا ضروری تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مرحوم و مغفور اس وقت کی حکومت میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔ دستور ساز اسمبلی کے ممبر بھی تھے، حکومت کی طرف سے تو غالباً نہیں لیکن مسلمانوں کی طرف سے وہی شیخ الاسلام قرار پائے اور پکارے جانے لگے۔ اتفاق سے وہ بھی میرے ہی محلے میں جب تک زندہ رہے، ایک صاحب کی کوٹھی میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے فروکش رہے، میزبان کی آنکھیں تو فرش راہ تھیں ہی لیکن اور عقیدت مند بھی کچھ کم نہیں تھے۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ کی خدمت میں افسوس ہے کہ میں فقط ایک ہی مرتبہ جا سکا اور وہ بھی مولانا غلام رسول مہر کے ہمراہ۔ ان دونوں کے مابین اسلامی دستور پر باتیں ہوتی رہیں۔ میں سنتا رہا لیکن میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ جب مولانا مہر باہر نکلے تو وہ بھی کچھ متردد اور مذبذب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معلوم ہوتے تھے۔ بہر حال اس کے بعد پھر کبھی مجھے توفیق نہ ہوسکی کہ ان کی خدمت میں حاضری دے سکوں۔

بہت سی باتیں اور حقائق ایسے ہوتے ہیں جو کہنے کے لئے نہیں ہوتے، وقت اور مصلحت کوشی کا خدا بھلا نہ کرے بلکہ بیڑا غرق کرے، جس نے انسان کا یہ ازلی حق چھین رکھا ہے۔ بہر حال! جہاں یہ ''مہمانِ خصوصی'' قیام پذیر تھے اس کے سامنے بہت بڑا میدان خالی پڑا ہوا تھا۔ یہ وہی میدان ہے جہاں آل انڈیا کانگریس کا اجلاس ہوا تھا اور مولانا ظفر علی خاں نماز کے وقت اجلاس ملتوی کرنے کی بات پر گاندھی جی سے ناراض ہوکر نہ فقط واک آوٹ کر گئے بلکہ اسی رات کو لاہور چلے گئے تھے۔ جب یہ ''مہمانِ خصوصی'' اس جہان سے رخصت ہوئے تو اسی میدان کے دور افتادہ کونے میں سپردِ خاک کئے گئے۔ اس میدان میں شیخ الاسلام کی زندگی میں ایک چھوٹی سی مسجد بنالی گئی تھی۔ مولانا سپردِ خاک کئے گئے اور جب یہ سب کچھ ہوچکا تو بقیہ میدان میں اسلامیہ کالج کی اتنی بلند و بالا اور شاندار عمارت کھڑی کی گئی کہ مولانا کا مزار اور خدا کا گھر دونوں اس کے سائے تلے نہ فقط دب کے رہ گئے بلکہ ایک کھیل معلوم ہونے لگے۔

اس غیر اہم گوشے میں دو مزار ہیں، ایک شیخ الاسلام کا اور اس کے پہلو میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کا۔ یہ گوشے اس طرح ویران اور اُداس سے ہیں کہ دن کی دوپہر کو بھی وہاں شام غریباں کا سا سماں نظر آتا ہے۔ دعائے مغفرت کے لئے ممکن ہے کوئی بھولا بھٹکا بندۂ خدا آتا ہو، لیکن جب بھی میں وہاں سے گزرا ہوں تو ان دونوں قبروں کو کچھ اس طرح اُجاڑ اور ویران پایا ہے کہ جیسے یہ قبریں ایسے دو نا معلوم مسافروں کی ہوں جن کا نہ وطن معلوم ہو اور نہ اس دنیا میں کوئی ان کا اور وارث ہو۔ نہ جانے یہ دو غریب الدیار کن امیدوں کے ساتھ اپنے آباؤ اجداد کے قبرستان کو تج کر یہاں پہنچے تھے اور نہ جانے پھر کیا ہوا کہ آج ان کے مزاروں کی یہ صورت ہے۔ بہر حال! آئندہ آنے والی نسلوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان دو مزاروں کے اندر اس صدی کے دو ایسے نادر روزگار نامی فردوس نشیں ہیں جن میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اُجاگر کرنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والا اور ایک خدا کے کلام کا بے بدل مفسر ہے۔

اور آخر میں غالب کا ایک شعر:

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اولئیم!
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے

گوشہ علمی و تعلیمی خبریں

مرتب: پروفیسر ڈاکٹر فرحت۔ ڈاکٹر مسز بشریٰ بیگ

جامعہ کراچی کے تین سینئر پروفیسرز پر علمی سرقہ کا الزام ثابت:

سابق ڈین ڈاکٹر عبدالرشید پر تنقید

(محمد عسکری اسٹاف رپورٹر، جنگ کراچی، ۱۳۱ اکتوبر ۲۰۰۹ء) جامعہ کراچی کے تین سینئر پروفیسرز پر علمی سرقے کا الزام ابت ہو گیا ہے، اس سلسلے میں کی جانے والی تحقیقاتی رپورٹ جامعہ کراچی کی انتظامیہ کو جمع کرادی گئی ہے۔ کلیہ معارف اسلامیہ کے معطل ڈین پروفیسر جلال الدین نوری کے خلاف علمی سرقے کے معاملے کی تحقیقات شریعت کورٹ کے سابق چیف جسٹس حاذق الخیری نے کی ہے، جبکہ شعبہ کیمیا کے معطل چیئرمین سعید آرائیں اور شعبہ فارمیسی کی سابق ڈین پروفیسر نجمہ سلطانہ کے خلاف علمی سرقے کی تحقیقات سپریم کورٹ کے سابق جسٹس (ر) سلیم اختر نے کی ہے۔ جسٹس حاذق الخیری نے ان تحقیقاتی رپورٹ میں پروفیسر جلال الدین نوری کے پی ایچ ڈی کے مقالے کو علمی سرقہ قرار دیتے ہوئے ان کے سپروائزر سابق ڈین ڈاکٹر عبدارلرشید (ریٹائرڈ) پر تنقید کی ہے، جن کو خود عربی نہیں آتی، مگر وہ عربی کے مقالے کے سپروائزر بن گئے۔ پروفیسر نجمہ سلطانہ اور سعید آرائیں کے خلاف علمی سرقے کی تحقیقات کرنے والے جسٹس (ر) سلیم اختر نے دونوں پروفیسرز کے لکھے گئے ریویو آرٹیکل کو علمی سرقہ قرار دیا ہے۔ واضح رہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جامعہ کراچی نے سنڈیکیٹ کی سفارش پر ۱۸ مئی ۲۰۰۹ء کو ان تینوں پروفیسرز کو معطل کر دیا تھا جبکہ شعبہ کیمیا کی کوآپریٹو لیکچررز کیہ بی بی کو سبکدوش کر دیا تھا، جس کے بعد تینوں پرفیسرز کے خلاف ریٹائرڈ ججز پر مشتمل تحقیقاتی افسران کا تقرر کیا گیا، جنہوں نے اپنی رپورٹ انتظامیہ کے پاس جمع کرادی ہیں، اب یہ رپورٹ سنڈیکیٹ کے اجلاس میں پیش کی جائیں گی۔ جس کے بعد علمی سرقے میں ملوث ان افسران کے مستقبل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

علمی سرقہ کے مرتکب سپروائزر کے پی ایچ ڈی طلباء نئے سپروائزر تلاش کریں: جامعہ کراچی

(جنگ، کراچی، ہفتہ ۳۱ / اکتوبر، ۲۰۰۹ء، محمد عسکری اسٹاف رپورٹر) تین سینئرز پروفیسرز پر علمی سرقے کا الزام ثابت ہونے کے بعد ان کی نگرانی میں ایم فل و پی ایچ ڈی کرنے والے طلباء وطالبات کا مستقبل خطرے میں پڑ گیا ہے۔ جامعہ کراچی کی انتظامیہ نے پروفیسر جلال الدین نوری، پروفیسر سعید آرائیں اور پروفیسر نجمہ سلطانہ کے زیر نگرانی ایم فل اور پی ایچ ڈی کرنے والے طلبہ سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنی تحقیق کی نگرانی کے لئے نئے سپروائزرز کا انتظام کرلیں۔ اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو ان کی تحقیق کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ جامعہ کراچی کے ایک ڈین نے ''جنگ'' کو بتایا کہ حال ہی میں بورڈ آف ایڈوانس ریسرچ اسٹڈیز کے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ علمی سرقے میں ملوث تینوں پروفیسرز کی زیر نگرانی ایم فل اور پی ایچ ڈی کے طلبہ فوری طور پر نئے سپروازر کا انتظام کرلیں ورنہ ان کے لئے مسائل پیدا ہوسکتے ہیں، ''جنگ'' کو معلوم ہوا ہے کہ ان اساتذہ کے زیر نگرانی تحقیق کرنے والے طلبہ کی تعداد 20 سے زائد ہے جن میں چند معروف نام بھی شامل ہیں۔

مولانا نادر عالم پرنسپل پاکستان انٹرنیشنل اسکول ریاض سعودی عرب کا نادر کارنامہ:
حکومت پاکستان سے ستارہ امتیاز عطاء کرنے اور مستقل پرنسپل بنانے کی درخواست۔

سعودی عرب کے دارالخلافہ ریاض میں آج سے تقریباً اکتالیس ۴۱ سال پہلے پاکستان انٹرنیشنل اسکول ریاض کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ موجودہ پرنسپل جناب نادر عالم سے پہلے آنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والے چودہ پرنسپلز نے کوشش کی کہ اسکول ہذا کے لئے اپنی زمین خریدی جائے لیکن تمام تر کوششوں کے باوجود اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

یہ ادارہ آٹھ ہزار طلباء و طالبات اور تین سو سے زائد معلمین و معلمات پر مشتمل ہے۔

اس میں اے غیر تدریسی عملہ بھی اپنے فرائض سرانجام دے رہا ہے۔ اسکول ہذا کے موجودہ پرنسپل جناب نادر عالم صاحب نے جب اپنے عہدے کا چارج سنبھالا تو انہوں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ ان کی اولین ترجیح اسکول کے لئے اپنی عمارت کا حصول تھا۔ کیونکہ اسکول ہذا کی تمام عمارتیں کرائے پر لی ہوئی تھیں، اور ان کا سالانہ کرایہ چوبیس لاکھ ریال ادا کرنا اسکول انتظامیہ کے لئے کاردارد تھا۔ اس لئے اپنے اس مقصد اولیٰ کو سامنے رکھتے ہوئے پہلے مرحلے کے طور پر اسکول کے لئے مناسب و موزوں جگہ کی تلاش ستمبر ۲۰۰۷ء میں شروع کی گئی۔

جس زمین کا انتخاب کیا گیا وہ ایک پرنس کی تھی۔ زمین کو اسکول کے نام منتقل کرانے کے مراحل شروع ہوئے۔ بلدیہ ریاض نے اس سلسلے میں اپنے دو تین قانونی نکات و اعتراضات سے پرنسپل اور اسکول منیجمنٹ کونسل کو مطلع کیا۔

اعتراضات کو دور کرنے کے لئے پرنسپل اسکول ہذا نے رئیس البلدیہ سے ملاقات کی جنہوں نے اجازت عنایت کردی۔ مرحلہ یہ تھا کہ ریاض کے میئر سے اجازت نامہ حاصل کیا جائے۔ ریاض کے میئر نے اجازت نامہ دینے سے یکسر انکار کر دیا۔ پرنسپل کی پر اثر کوشش و گفتگو کے بعد ریاض کے میئر نے اجازت نامہ مرحمت فرمادیا کہ اس کے بعد کا مرحلہ یہ تھا کہ سعودی وزارتِ تعلیم سے بھی اجازت نامہ حاصل کیا جائے۔ پرنسپل کی کوششوں سے یہ بھی حاصل ہو گیا۔

اس کے بعد ایک اور مرحلہ سامنے آیا کہ وزارت العدل سے اجازت نامہ حاصل کیا جائے۔ جس کے تحت زمین کو اسکول ہذا کے نام کیا جاسکتا ہے۔ سفیر پاکستان جناب شاہد کریم اللہ نے نئے سرے سے اس حکم نامہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک درخواست وزارتِ خارجہ کے نام لکھی کہ وہ پاکستان انٹرنیشنل اسکول کے لئے اپنی زمین خریدنے کی منظوری دیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وزارتِ خارجہ میں درخواست دائر کئے جانے کے بعد مملکت سعودی عرب کے وزیر خارجہ جناب پرنس سعود الفیصل نے سفیر پاکستان کی خصوصی درخواست پر اجازت نامہ عنایت کر دیا۔ ان تمام تر مراحل کو کامیابی سے طے کرنا اسکول ہذا کے پرنسپل کی شبانہ روز محنت کا ثمر تھا جو آخر کار مل گیا۔

اس جدوجہد کے اصل مراحل طے کرنے کے بعد وثیقہ نویس سے دستاویزات کا حاصل کرنا تھا۔ اس معاملے میں قانونی طور پر زمین کی ملکیت کے معاملے میں فیصلہ کن دستخط کا مسئلہ سامنے آیا۔ پرنسپل اسکول ہذا نے بہت جدوجہد اور بھاگ دوڑ کے بعد وزارت تعلیم اور پاکستان ایمبیسی سے اس معاملے میں خصوصی خطوط حاصل کئے اور آخرکار دستخطوں کا مسئلہ حل ہوا۔

پرنس سے حاصل کردہ زمین اب پاکستان انٹرنیشنل اسکول کے نام ہوگئی ہے۔ قانونی دستاویزات پر یہ عبارت درج ہے کہ ''یہ زمین پاکستان انٹرنیشنل اسکول ریاض کی اپنی ملکیت ہے اور یہ ادارہ ہی اس کا مالک و مختار ہے۔''

سعودی عرب کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ پاکستان کو زمین حاصل کرنے کا یہ موقع ملا یہ ایک مولوی کی پاکستان کے لئے عظیم خدمت ہے حکومت پاکستان سے ہم بھرپور مطالبہ کرتے ہیں، موصوف کو ستارہ امتیاز سے نوازا جائے۔ (چیف ایڈیٹر و دیگر)

تعلیمی منشور کیا ہو؟

پروفیسر ہارون رشید: سابق ڈائریکٹر کالجز

قومی انتخاب ۲۰۰۸ء کے انعقاد کے موقعہ پر ملک کی منتخب چنیدہ سیاسی جماعتوں نے یقیناً اپنی ترجیحات طے کرلی ہوں گی، تاہم یہ امر حیرت انگیز اور دلچسپ ہے کہ تعلیم کے معاملے میں تمام جماعتیں اپنے دور اقتدار میں تعلیم میں موجود کرپشن، کم مائیگی اور ناقص منصوبہ بندی کو یکسر فراموش کر کے ایک بار پھر بلند معیار تعلیم، کرپشن کے خاتمے اور تعلیم کو پہلی ترجیح قرار دینے کے بلند بانگ دعوے کرتی رہی ہیں۔ ادھر وفاقی اور صوبائی سطح پر تعلیم کی ساری وزارتیں قومی تعلیمی پالیسی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حلیہ بگاڑنے اور پالیسی میں بنیادی تبدیلیاں کرنے میں شب و روز مصروف ہیں۔ بصد ادب عرض ہے کہ صوبائی اور وفاقی وزرائے تعلیم کا تعلیمی مسائل سے آگہی اور رابطے کا کوئی پس منظر اور تجربہ نہیں ہے۔ وہ تعلیم سے ہٹ کر مختلف ملازمتوں اور سرگرمیوں کا اعلیٰ تجربہ ضرور رکھتے ہوں گے مگر تعلیمی منصوبہ بندی اور قومی تعلیم کے گزشتہ ۶۰ برسوں کے نشیب و فراز کا انہیں چنداں تجربہ نہیں ہے اور نہ یہ ان کا موضوع رہا ہے، اس لئے مودبانہ التماس یہی ہے کہ وہ للہ قومی اور صوبائی تعلیمی پالیسیوں کا قبلہ تبدیل کرنے کی سعادت حاصل نہ کریں۔

البتہ خوشی کی بات یہ ہے کہ سابق ادوار میں اقتدار حکومت میں شامل عوامی نمائندوں کو اب شعبہ تعلیم میں کرپشن گھوسٹ تعلیم اداروں اور بے مقصد تعلیم کا احساس ہو رہا ہے، حالانکہ ان ہی کالموں میں پے در پے اس قبیل کے کئی موضوعاتی مضامین کے ذریعہ ان اہم مسائل کی جانب توجہ دلائی جاتی رہی ہے، مگر "جو لکھا تو پڑھ کے مٹا دیا، جو کہا تو سن کر اڑا دیا" کا معاملہ رہا۔ تعلیم میں کرپشن کے معاملے میں صوبہ سندھ سرفہرست ہے، صوبائی محتسب اعلیٰ کی رپورٹ کے مطابق سندھ کے محکمہ تعلیم سے کرپشن کا خاتمہ کرنا تقریباً ناممکن ہے، نومبر ۲۰۰۷ء کی رپورٹ کے مطابق ضلع دادو کے ای ڈی او تعلیم نے ۲۷۳ آسامیوں کے مقابل ۵۶۷ تقرریاں کیں اور اس طرح ۲۹۴ گھوسٹ افراد کی تنخواہوں کا خود برد کیا۔ اس افسر اور ماتحت افسران کو اگرچہ معطل کر دیا گیا، تاہم "رشوت لے کر پھنس گیا ہے، رشوت دے کر چھوٹ جا" کے مصداق کسی نتیجہ خیز تادیبی کارروائی کی کوئی امید نہیں۔ سرکاری سطح پر اس اعتراف کے بعد عوامی نمائندوں کا کرپشن کے خاتمے کے لئے ازسرنو کمربستہ ہو جانے پر یقین کر لینے کے بعد خوشی سے مر جانے کو جی چاہتا ہے۔

ادھر ایشیائی زرعی ترقیاتی بینک ADB نے پاکستان میں ۳۸ سال کے دوران ترقیاتی منصوبوں میں اپنی سرگرمیوں کے تحت 6.3 ارب ڈالرز کی امداد کے باوجود کم ترین تعلیمی ترقی کے اسباب اور وجوہات پر مبنی رپورٹ جاری کی ہے، ۱۸۰ منصوبوں کی تکمیل میں تعلیمی ترقی بھی شامل تھی، سابقہ دور اقتدار میں شامل عوامی نمائندوں کو وفاقی سطح پر اس گراں قدر امداد کے بے مصرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جانے کی رپورٹ ضرور ہوئی ہوگی، رپورٹ میں خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ دیگر منصوبوں سے قطع نظر تعلیم کے پھیلاؤ اور اشاعت میں پاکستان ناکامی کے سبب شاہد MG's (Millenium Development Goals) کے اہداف ومقاصد حاصل نہ کر سکے۔ رپورٹ کے تجزیئے کے مطابق تعلیم کے شعبے میں وسائل کو انتہائی ناقص طریقے سے استعمال کیا گیا اور تعلیمی امداد سے مشروط تعلیم کا بجٹ انتہائی کم ترین یعنی GDP کا ۱.۷ ہے، ۲ فیصد تک رکھا گیا اور اس امداد کو مکمل طور پر جائز خرچ کرنے کے بجائے کرپشن اور دھاندلی کی نذر کر دیا گیا۔ ابتدائی برسوں میں تعلیمی سیکٹر کی ترقی کا تناسب محض ۲۹ فیصد رہا، تعلیمی ترقی کی درجہ بندی میں رپورٹ میں اسے جزوی ترقی یعنی Partly Successfull کا تیسرا گریڈ دیا گیا ہے۔ سرکاری سطح پر تعلیم کی اشاعت میں ناکامی نے معیار تعلیم کا مسئلہ کھڑا کر دیا، متوسط طبقے کے علاوہ غریب طبقہ بھی بہتر تعلیم کے حصول کے لئے مہنگے پرائیویٹ اسکولز کا رخ کرنے لگا، تعلیم کی جانب سے حکومت کی بے نیازی کی وجہ سے نجی تعلیمی اداروں کی تعداد میں بے تحاشہ اضافہ ہوا، مہنگی فیسیں ہوشربا قیمتوں کے غیر ملکی نصاب کی کتب نے متوسط طبقے کے لئے بھی بہتر تعلیم کا حصول ایک ڈراونا خواب بنا دیا ہے۔ اس وقت ملک میں موجود سرکاری تعلیمی اداروں کی تعداد 151744 کے مقابل نجی تعلیمی ادارے 76047 ہیں۔ یہ نجی ادارے چاروں صوبوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور کسی بھی صوبے میں ان تعلیمی اداروں کی من مانیوں کو روکنے کے لئے کوئی Regulatory Autority موجود نہیں ہے۔

عوامی نمائندوں میں موجود چند بااثر خاندان ایسے کئی شاندار تعلیمی اداروں کی ایک Chain کے مالک ہیں۔ مختلف شہروں کے بہترین علاقوں میں ایکڑوں زمین رعایتی دام میں حاصل کرنا ان مالکان کے لئے انتہائی آسان ہے۔ انتخابات میں ووٹرز کی توجہ مبذول کرانے کے لئے ایک حالیہ مذاکرہ میں سابقہ وزرائے تعلیم اور عوامی نمائندوں نے علمی پسماندگی کا اعتراف کرتے ہوئے تعلیم کے آئندہ وژن پر اظہار خیال کیا اور کہا کہ کرپشن کے خاتمے کے لئے 12777 گھوسٹ اسکولوں کا خاتمہ ضروری ہے۔ یہ رائے بھی ظاہری کی گئی کہ تعلیم کے ۳ نظام سرکاری اسکولز انگریزی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سسٹم کے نجی اسکولز اور مدارس میں توازن قائم کیا جائے، مادری اور علاقائی زبانوں میں ابتدائی تعلیم دی جائے۔کل تک کے بااختیار پالیسی ساز مختار کل وزراء اور پارٹی لیڈرز کی زبانی یہ مطالب سنتے ہوئے انقلاب فرانس کی محرک واقعہ کی یاد تازہ ہوگئی، جس میں ملکہ فرانس ازراہ تمسخر ایک مفلوک الحال فاقہ زدہ چیتھڑوں میں ملبوس فقیرنی کا فینسی ڈریس شو کررہی تھی۔

ہمارا معاشرہ تو ٹھہرا ایک نقار خانہ طوطی کی آواز کون سنتا تاہم بین الاقوامی چندہ فراہم کرنے والے ادارے یورپی یونین کمیشن کو اس بے قاعدگی اور دھاندلی کی خبر ہوگئی اور انہوں نے تعلیمی مقاصد کے لئے دی جانے والی ۳ کروڑ ۹۰ لاکھ یورو جو پاکستانی کرنسی میں ساڑھے تین ارب روپے بنتے ہیں امداد روک دی۔ یہ ایک شرمناک سزا ہے جو صوبہ سندھ کے شعبہ تعلیم کو دی گئی، اب اس امداد کو شفاف میرٹ پر مبنی تقرریوں سے مشروط کردیا گیا ہے۔روبہ زوال معیار تعلیم کا مسئلہ تعلیمی بجٹ میں دھاندلی کی رپورٹس طبقاتی نظام تعلیم کی موجودگی اور اس طرح کے تعلیمی نظام میں منفی رجحانات یہ تمام حقائق سابقہ عوامی نمائندوں وزراء وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے علم میں ہمیشہ سے تھے۔ ہمارا ذہن یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ انہیں کیوں ترجیحی بنیادوں پر حل نہیں کیا جاسکتا۔

انٹرنیشنل رپورٹ میں پاکستان، نائجیریا کے بعد دوسرا بڑا ناخواندہ ملک ٹھہرایا گیا ہے، خیال رہے کہ پاکستان میں گزشتہ دسمبر تک اسکول کی سطح پر تعلیم سے محروم بچوں کی تعداد ۶۵ لاکھ تھی۔اس رپورٹ میں اور بھی دیگر ہولناک کوتاہیاں پاکستان کی موجودہ تعلیمی صورتحال سے متعلق شائع کی گئی ہیں، بقول شاعر

غالب نہ کر حضور میں تو بار بار عرض
ظاہر ہے تیرا حال سب ان پر کہے بغیر

پھر بھی کچھ تجاویز تمام سیاسی جماعتوں اور عوامی نمائندوں کے لئے پیش خدمت ہیں۔

نظریاتی وفکری غیر ہم آہنگی کے باوجود ان پر غیر جانبدارانہ اور ہمدردانہ غور کیا جاسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) تعلیم کی سابقہ کرپشن کی تحقیقات/مقدمات نیب NAB کے سپرد کی جائیں اور ایک محدود مدت میں ان مقدمات کو نمٹانے کی ہدایت کی جائے۔ (۲) تعلیمی بجٹ کی شرح کو جی این پی میں اضافہ یا کمی سے مشروط نہ کیا جائے اور نہ ہی ہنگامی حالات میں تعلیمی بجٹ میں کٹوتی کی جائے۔ (۳) فوری طور پر وفاقی اور صوبائی سطح پر ہائر ایجوکیشن کمیشن قائم کیا جائے جو صرف ابتدائی اور پرائمری تعلیم کی ترقی کے ذمہ دار ہو اور صدر پاکستان سربراہ ہوں۔ (۴) وفاقی اور صوبائی سیکریٹریٹ ڈائریکٹوریٹ میں اعلیٰ افسران کی تقرری سے قبل انہیں NIPA اور دیگر اعلیٰ ٹریننگ دینے والے اداروں سے Crash Educational Program کی تربیت دی جائے۔ محض CSP یا PSP افسران وقت گزاری اور بیرون ملک دوروں/تفریحات کے لئے تعینات نہ کئے جائیں۔ (۵) وفاقی اور صوبائی وزرائے تعلیم کی نامزدگی سے قبل صرف ان کا غیر ملکی تعلیم یافتہ یا اعلیٰ خاندانی پس منظر نہ دیکھا جائے بلکہ یہ وزارت مخصوص تعلیمی میدان و رجحانات کے حامل افراد کے سپرد کی جائے۔ (۶) فنون، فلسفہ، جنرل تاریخ، عالمی جغرافیہ اور فارسی کو دوبارہ نصاب میں اختیاری مضامین کی حیثیت سے شامل کیا جائے۔ (۷) زرعی ترقی کا باب لازماً سائنسی مضمون کی حیثیت سے شامل کیا جائے اور زرعی معلومات و اہمیت کے ادارے قائم کئے جائیں۔ واضح رہے کہ ملک کی ۸۰ فیصد آبادی زراعت پیشہ ہے اور زراعت میں جدید تکنیکی سہولت نہ ہونے کے باعث ملک کی معیشت کو بے حد نقصان پہنچ چکا ہے۔ (۸) وفاقی و صوبائی وزارت تعلیمات کی جانب سے اہم تعلیمی معاملات پر عجلت میں کئے گئے فیصلوں کو موخر کر دیا جائے۔ (۹) نئی تعلیمی پالیسی (اگر کوئی زیر غور ہے) تو اسے قومی اسمبلی میں اتفاق رائے سے منظور کیا جائے۔ سابقہ قومی تعلیمی پالیسی ۱۹۹۸ء-۲۰۱۰ء میں وفاقی یا صوبائی وزارت تعلیم کوئی تبدیلی نہ کرے۔ (۱۰) ملک کی تمام یونیورسٹیز، انٹر اور میٹرک بورڈ سے حاضر اور ریٹائرڈ فوجی افسران، وائس چانسلرز، چیئرمین، سیکریٹریز یا دیگر انتظامی عہدوں سے فارغ کیا جائے اور ان کی خدمات کے اعتراف میں ان حضرات کو دوسرے شعبوں میں تعینات کیا جائے۔ (۱۱) چیئرمین، سیکریٹریز اور کنٹرولر انٹر بورڈ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میٹرک بورڈ، ٹیچرز فاؤنڈیشن اور ایجوکیشن فاؤنڈیشن میں تعینات ریٹائرڈ حضرات کی قابلیت کارکردگی اور اہلیت کا جائزہ لیا جائے۔ گزشتہ تین سال سے زائد تعینات افسران کو فارغ کیا جائے۔ (۱۲) طلبہ کی تعلیمی اور نیم سیاسی سرگرمیوں سے متعلق یونین پر پابندی حکومتی خوف اور ریاستی جبر کے مترادف ہے، یونین کی بحالی پر تمام سیاسی جماعتیں متفقہ لائحہ عمل تلاش کریں۔

قومی اسمبلی میں مکمل بحث کے دوران سیاسی جماعتیں اپنی ماتحت طلباء تنظیموں سے برتر قومی مفاد میں برأت کا اعلان کریں۔ (۱۳) قومی اسمبلی کی مجلس قائمہ برائے تعلیم میں حزب اختلاف اور حزب اقتدار کی مساوی نمائندگی ہو، طلباء اساتذہ سرپرستوں کو اعزازی رکنیت دی جائے تا کہ تمام اہم تعلیمی مسائل پر قومی اتفاق رائے سے فیصلہ کیا جاسکے۔ (۱۴) صدر، وزیر اعظم، وزرائے تعلیم اور سیکریٹریز تعلیمات نجی تجارتی تعلیمی اداروں کی تقریبات میں تعلیمی ترجیحات متعین نہ کریں، کیونکہ اس طرح سرکاری تعلیمی اداروں کے طلبہ اور اساتذہ میں مایوسی اور بددلی پھیلتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ صوبائی وزیر، سیکریٹری تعلیم اپنے صوبہ اور اضلاع کے تعلیمی اداروں کے دوروں کا شیڈول مرتب کریں تا کہ وہ اساتذہ طلبہ اور انتظامیہ کے مسائل سے ذاتی طور پر باخبر ہوسکیں۔ (۱۵) ہر سطح کے اساتذہ کی تنخواہوں اور پنشن کا سالانہ جائزہ لیا جائے۔ اسے افراط زر اور مہنگائی میں اضافے کی شرح کے مطابق طے کیا جائے۔ (۱۶) ملک میں طبقاتی نظام کے خاتمے کے لئے پرائیویٹ تعلیمی اداروں کے نصاب اور فیس اسٹرکچر کا جائزہ لیا جائے، سرکاری اسکولز، نجی اسکولز، کیڈٹ اسکولز اور مدارس کے نصاب میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ (۱۷) ٹیکسٹ بک بورڈ خصوصاً سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ کے تحت نصابی کتب کی بروقت اشاعت کے لئے صوبائی سطح پر ایک کنٹرولنگ اتھارٹی قائم کی جائے اور ٹیکسٹ بک بورڈ کے حسابات کی مانیٹرنگ اور آڈیٹنگ کسی غیر سرکاری ادارے سے کرائی جائے۔ (۱۸) معیار تعلیم ترسیل علم سے مشروط ہے، اس لئے چاروں صوبوں میں پرائمری اور بنیادی تعلیم کی تدریس کے لئے مادری اور علاقائی زبانیں استعمال کی جائیں تا کہ نسل بامقصد اور قابل فہم علم حاصل کرسکے۔ (۱۹) انگریزی زبان کی پہلی کلاس سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لازمی تدریس کا منصوبہ ناکام ہو گیا ہے، اس لئے کہ نہ کوئی انگریزی کی مستند کتاب دستیاب ہے نہ ہی انگریزی زبان کے تربیت یافتہ اساتذہ میسر ہیں، اس لئے کتب اور اساتذہ کی باقاعدہ فراہمی تک اس تجویز پر عملدرآمد کو موخر کر دیا جائے۔ (۲۰) ہر علاقائی اور صوبائی زبان کی ترقی کا علیحدہ بورڈ تشکیل دیا جائے جس میں مقامی ماہر لسانیات ادباء اور شعراء شامل ہوں اس طرح قومی زبان اردو سے منافرت اور تصادم کی حوصلہ شکنی ہوگی۔ عوامی نمائندوں کو تعلیم کے ضمن میں صرف اپنی سیاسی بصیرت ترجیحات پسند ناپسند پر اکتفا نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ طلبہ، والدین اور اساتذہ کی آراء، امنگوں اور قومی ضروریات کو بھی اہمیت دینی چاہئے۔ اس طرح وہ ماضی کے مقابلے میں ایک بہتر بامقصد اور قابل عمل تعلیمی پالیسی مرتب کر سکیں گے۔ (روزنامہ جنگ کراچی، جمعہ ۸، فروری، ۲۰۰۸ء)

قومی تعلیمی پالیسی ۲۰۰۹ء

پروفیسر محمد شکیل صدیق

طویل انتظار کے بعد بالآخر وفاقی کابینہ نے ۹ ستمبر کو قومی تعلیمی پالیسی ۲۰۰۹ء کی متفقہ طور پر منظوری دے دی ہے، وفاقی وزیر تعلیم نے کابینہ کے اجلاس کے بعد میڈیا کو بریفنگ دیتے ہوئے قومی تعلیمی پالیسی کی تفصیلات پیش کیں، جس کے اہم نکات درج ذیل ہیں۔

۱۔ ملک بھر میں بتدریج یکساں نظام تعلیم رائج کیا جائے گا۔ ۲۔ پہلی جماعت سے انگریزی تعلیم لازمی ہوگی۔ ۳۔ گیارہویں اور بارہویں جماعت کالج کی تعلیم کا حصہ نہیں ہوگی اور اسے اسکول ایجوکیشن میں ضم کر دیا جائے گا۔ ۴۔ تعلیمی بجٹ میں ۲۰۱۵ء تک مجموعی قومی پیداوار کا ۷ فیصد اضافہ کیا جائے گا۔ ۵۔ شرح خواندگی میں ۲۰۱۵ء تک ۸۶ فیصد اضافہ کیا جائے گا۔ ۶۔ اعلیٰ تعلیم کی سطح، موجودہ انرولمنٹ ۷ء۴ فیصد سے بڑھا کر ۲۰۱۵ء تک ۱۰ فیصد اضافہ کیا جائے گا اور ۲۰۲۰ء تک ۱۵ فیصد تک کی جائے گی۔ ۷۔ سرکاری تعلیمی اداروں کا معیار تعلیم اے لیول اور او لیول تک لایا جائیگا۔ ۸۔ دوہرے اور طبقاتی تعلیمی نظام کے خاتمے کے لئے مرحلہ وار اقدامات کئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائیں گے۔ ۹۔فنی تعلیم کو بنیادی اہمیت دی جائے گی اور معیاری تکنیکی و فنی تعلیم کو یقینی بنایا جائے گا۔ ۱۰۔حکومت چاروں صوبوں میں اپنا گھر رہائشی اسکولوں کا قیام عمل میں لائے گی۔ ۱۱۔اسکولوں اور کالجوں میں تدریسی اور انتظامی معاملات کے لئے علیحدہ علیحدہ اسٹاف بھرتی کیا جائے گا۔ ۱۲۔تمام پرائمری اسکولوں کو مڈل کا درجہ دیا جائے گا اور ضلع کی سطح پر تعلیمی بورڈ قائم کئے جائیں گے، جن کے لئے عملے کی بھرتی صوبے کریں گے۔ ۱۳۔تعلیمی پالیسی ۲۰۰۹ء پر عملدرآمد کی نگرانی کے لئے وفاق کی سطح پر بین الصوبائی وزرائے تعلیم فورم کو ادارہ جاتی شکل دی جائے گی جو ریگولیٹری باڈی ہوگی۔ ۱۴۔پرائمری اساتذہ کی تقرری کے لئے بی ایڈ اور بیچلر کی ڈگری لازمی ہوگی۔ ۱۵۔تعلیمی اداروں کے نصاب کو دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے قومی نصاب ونگ کو اپ گریڈ کیا جائے گا اور امتحانی نظام کو معیاری بنایا جائے گا۔

مذکورہ تعلیمی پالیسی کے بارے میں پہلی بات جو کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ تعلیمی پالیسی کا چار سال طویل اور جامع مشاورتی عمل کے بعد اعلان کیا گیا ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ مشاورتی عمل کس جزیرے پر ہوا؟ کیونکہ ماہر تعلیم نے تعلیمی پالیسی پر جو بنیادی اعتراض کیا ہے وہ یہی ہے کہ انہیں مشاورتی عمل میں شریک نہیں کیا گیا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تعلیمی پالیسی پر مشاورت کا جو پراپر فورم ہے یعنی پارلیمنٹ اس میں بھی اسے زیر بحث نہیں لایا گیا اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ موجودہ تعلیمی پالیسی منتخب نمائندوں اور ماہرین کے مشورہ کے بغیر قوم پر مسلط کردی گئی ہے، تعلیم کے ساتھ گزشتہ ۶۲ سال جو مذاق ہو رہا ہے، جو موجودہ تعلیمی پالیسی اسی مذاق کا تسلسل ہے، انتہائی دکھ اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ قومی تقاضوں اور ضرورتوں کا لحاظ کئے بغیر ایک ایسی تعلیمی پالیسی قوم پر مسلط کردی گئی ہے، جس کا انجام بھی سابقہ تعلیمی پالیسیوں ہی کی طرح ہوگا اور اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ موجودہ تعلیمی پالیسی سیاسی شعبدے بازی سے زیادہ کچھ نہیں ہے کیونکہ تعلیمی پالیسی کا شوشا چھوڑا جا چکا ہے اس لئے خانہ پوری کے طور پر ایک تعلیمی پالیسی جاری کردی گئی ہے جو سراسر جھوٹے دعدوں اور دعوؤں پر مبنی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وزیر تعلیم نے اعلان کیا ہے کہ ملک بھر میں بتدریج یکساں نظام تعلیم رائج کیا جائے گا، اب یہ "بتدریج" کتنی مدت پر محیط ہے اس کی وضاحت نہیں ہے جس سے حکومت کی بدنیتی واضح ہے کہ وہ یکساں نظام تعلیم رائج کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے حکومت اگر یکساں نظام رائج کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے، حکومت اگر یکساں نظام تعلیم رائج کرنے میں سنجیدہ ہوتی تو وہ اسی تعلیمی پالیسی میں اعلان کرسکتی تھی کہ آئندہ تعلیمی سال سے ملک کے تمام سرکاری اور غیر سرکاری اسکولوں میں صوبائی ٹیکسٹ بکس کا منظور شدہ نصاب پڑھایا جائے گا اور نجی تعلیمی ادارے تعلیم کے نام پر غریب عوام کو جس طرح لوٹ رہے ہیں اسے فوری طور پر ختم کیا جائے، نجی تعلیمی اداروں اور ان میں رائج نصاب جو امریکا اور برطانیہ سے برآمد شدہ ہے اسے فوری ختم کیا جائے گا، لیکن ایسا نہیں ہوا، جس سے حکومت کی بدنیتی ثابت ہوگئی ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی میں انگریزی کو پہلی جماعت سے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ذریعہ تعلیم کے حوالے سے اوّل روز سے قومی اتفاق رائے ہے کہ اسے قومی زبان یعنی اردو میں ہونا چاہئے، لیکن نئی تعلیمی پالیسی میں ایک بار پھر انگریزی کو مسلط کردیا گیا ہے جو ایک غیر فطری فیصلہ ہے، ایک اور اہم بڑا فیصلہ کیا گیا ہے کہ اسکول ایجوکیشن کا دورانیہ ۱۰ سال یعنی میٹرک سے بڑھا کر بارہویں جماعت کردیا ہے، اب گیارہویں اور بارہویں جماعت کالج کی تعلیم کا حصہ ہونے کے بجائے اسکول ایجوکیشن کا حصہ ہوگی، یہ امریکی اور برطانوی نظام کی نقل ہے ہمارے ملک کے غریب عوام جو بمشکل میٹرک تک اپنے بچوں کی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھ پاتے ہیں وہ بھلا کیسے بارہویں تک اسکول کی تعلیم اپنے بچوں کو دلوائیں گے، یہ فیصلہ صرف ایک مخصوص طبقے کے لئے کیا گیا ہے جس سے نہ صرف تدریسی اور غیر تدریسی عملے کے درمیان ٹکراؤ ہوگا بلکہ قومی اخراجات میں بھی اضافہ ہوگا اور مجموعی طور پر تعلیمی نظام پر منفی اثرات مرتب ہوں گے، ضلعوں کی سطح پر تعلیمی بورڈ کا قیام ایک اچھا قدم ہے، لیکن بورڈ کے معاملات کو شفاف بنانے اور غیر سرکاری تعلیمی بورڈ جیسے آغا خان بورڈ کے وجود پر کوئی بات نہیں کی گئی ہے حالیہ برسوں میں تعلیمی بورڈز میں کرپشن کے واقعات میں جو اضافہ ہوا ہے اس کا مقصد ایک طرف تو سرکاری تعلیمی بورڈ کو

© rasailojaraid.com